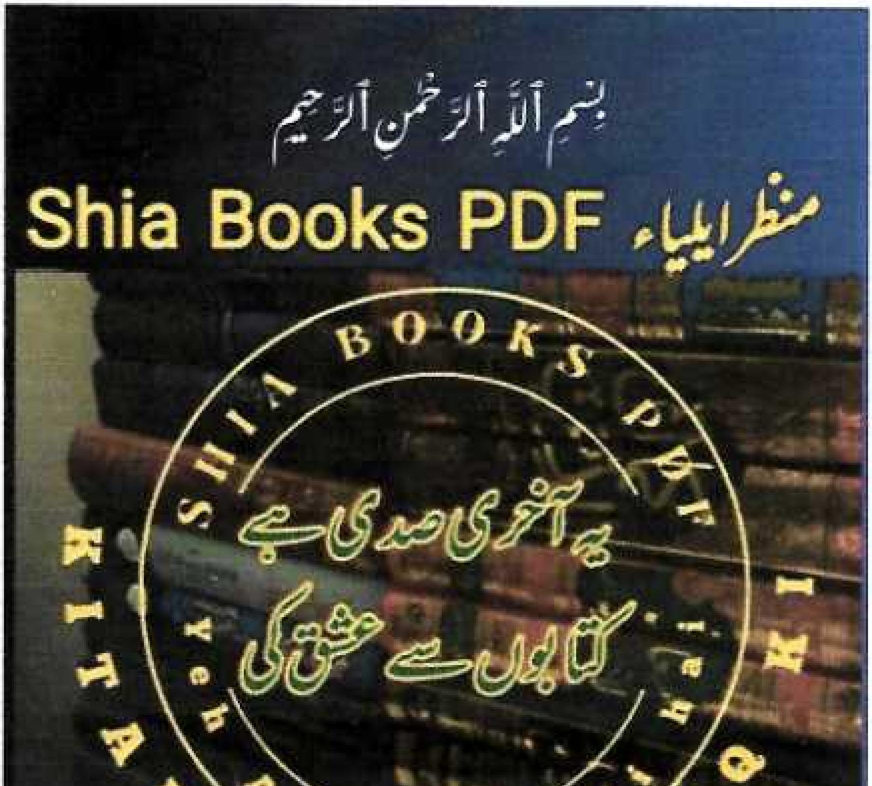
بسم اللہ الرحمن الرحیم
Shia Books PDF منظر ایلیاء
SHIA BOOKS PDF
Yeh Akhiri Sadi hai
یہ آخری صدی ہے
کتابوں سے عشق کی
KITABAO SE ISHQ KI
MANZAR AELIYA
9391287881
HYDERABAD INDIA

دینی نصاب میں شامل علم الدرایہ کی جامع کتاب

علم درایۃ الحدیث

تالیف
حجۃ الاسلام والمسلمین محمد حسن ربانی

ترجمہ
سید سبطین علی نقوی امروہوی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب................	علم درایۃ الحدیث
مصنف................	حجۃ الاسلام والمسلمین محمد حسن ربانی
مترجم................	سید سبطین علی نقوی امروہوی
نظر ثانی................	محمد ذوالفقار علی
کمپوزنگ................	سید سبطین علی نقوی امروہوی
تعداد................	۵۰۰
سال اشاعت..........	جنوری ۲۰۱۹ء
ہدیہ................	۳۲۰ روپے

ISBN 978 969 720 00 61

جملہ حقوق بحق سبیل سکینہ (ڈی ایم ایف) پاکستان محفوظ ہیں

Copyright © 2019 by DMF Publications Sabil-e-Sakina Pakistan

All rights reserved. This book or any portion thereof may not be reproduced or used in any manner whatsoever without the express written permission of the publisher except for the use of brief quotations in a book review.

DOT Management Foundation

Sabil-e-Sakina (S.A) Online Islamic Digital Library

ShianeAli.com Ziaraat.com Websites:

Courtesy: Islamic Culture & Research Trust (Regd.)

ST 1/8, Block 6, Federal 'B' Area, Karachi (75950) - Pakistan

Office No. 12, 2nd Floor, Empress Tower, Empress Road, Lahore - Pakistan

انتساب

شریکۃ الحسینؑ، ثانی زہراؑ، بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و علی مرتضیٰؑ، عالمہ غیر معلمہ، صاحبہ ولایت تکوینیہ، ولیۃ اللہ، جبل الصبر، مدافعہ ولایت وامامت، عصمت صغریٰ، زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے نام

سر نی در کربلا می ماند اگر زینب نبود
کربلا در کربلا می ماند اگر زینب نبود

مقدمۃ الکتاب (از مترجم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

دین اسلام کے معارف کا دارو مدار قرآن وحدیث فہمی پر ہے اور ان سے جدا ہو کر دین اسلام کو سمجھ پانے کا سوچنا، خیال است و محال است۔ لہذا لازم تھا کہ ہم علوم قرآن وحدیث کے زمینے میں علمی و تحقیقی کام پیش کر کے قوم کا علمی معیار بلند کریں تاکہ وہ اسلام کے ان دو بے مثل منابع سے بخوبی فائدہ اٹھا سکیں۔ دوسری جانب جدید دور میں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی سرعت اور پیشرفت کے باعث ان علوم نے جو فقط حوزات دینی تک مقید تھے، عوام کا رخ کر لیا ہے اور عوام کا ایک بہت بڑا طبقہ ان علمی مباحث سے آشنائی کا خوگر ہے۔ لیکن چونکہ اردو زبان میں اس قسم کی ٹھیٹ علمی کتب کم دیکھنے کو ملتی ہیں لہذا ادارے نے ارادہ کیا کہ علم الحدیث پر موجود اہم موضوعات پر مختصر اور جامع کتب کا ترجمہ پیش کیا جائے۔ موجودہ کتاب اسی سلسلے کی دوسری کاوش ہے۔

معرفت دین حاصل کرنے کے لیے علم درایۃ الحدیث ایک بنیادی علم ہے۔ میدان فقاہت میں تکلیف الہی اور اس کے بیان کی ذمہ داری اس علم کے کاندھوں پر ہے۔ یہی وجہ ہے

کہ علمائے دین نے ہمیشہ اس علم کی پاسداری کا اہتمام کیا ہے۔

کتاب حاضر میں ایک نئی روش کے مطابق، کبھی علمی روش کے تحت علم درایہ کے مسائل اور مشکلات کو پیش کیا گیا ہے (یعنی تحقیق علمی)؛ کبھی یہ تحقیق معتبر منابع و مدارک کے تحت انجام پائی ہے (یعنی تحقیق تاریخی) کبھی اس میں توصیف، تشریح اور تحلیل کو کلی طور پر پیش کیا گیا ہے (تحقیق توصیفی و تحلیل۔ اس کتاب میں مؤلف نے جدید دور کے تحقیقی اسلوب کو اپنانے کے ساتھ ساتھ دینی حوزات میں موجود سنتی تحقیق اور محققین کی تحقیقی سیرت کو بھی نظر میں رکھا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا مقصد حوزہ ہائے علمیہ، جامعات اور اعلی سطح کے تعلیمی اداروں کی علمی تقویت میں اضافہ اور ان کی استعداد کو بڑھانا ہے۔ اس کتاب کی ۶ فصول ہیں جن میں مؤلف نے موضوعی اعتبار سے تحقیقی کام انجام دیا ہے۔ وہ خصوصیات جو اس کتاب کو اسی موضوع پر لکھی گئی دوسری کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ مؤلف نے اس کی تالیف میں اصلی اور معتبر مآخذ و منابع سے وسیع پیمانے پر استفادہ کیا ہے ساتھ ہی اس میں حدیثی و فقہی نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں تاکہ حق مطلب ادا کیا جا سکے۔ کتاب میں کہیں کہیں حاشیے کی ضرورت محسوس کی گئی تو بین متن یہ علامت [...] لگا کر اس کے مابین شمارہ لکھ کر مربوط مطلب کو کتاب کے آخر میں اسی شمارے کے تحت تتمے کے طور پر شامل کر دیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اس علم کے متخصصین اور طلاب دونوں کی جانب سے مورد قبول قرار پائے گی۔ نیز امید ہے کہ جامعات و حوزہ ہائے علمیہ کے علاوہ دوسرے محققین بھی جو علم حدیث سے علاقہ رکھتے ہیں، اس کتاب سے بہرہ مند ہونگے۔[1]

سید سبطین علی نقوی امروہوی،

۱۶ جنوری ۲۰۱۷، بمطابق ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۳۸ ہجری،

قم المقدس ایران۔

[1] یہ مقدمہ مترجم کے توسط سے کتاب کے اصلی مقدمے کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا گیا ہے، چونکہ اس مقدمے میں کچھ ایسے مطالب تھے جو اردو دان طبقے سے بالکل مربوط نہیں تھے لہذا مقدمے کے فقط اہم مندرجات کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

فصل اول: کلیات

- تدوین علم درایۃ الحدیث۔
- تعریف علم درایۃ الحدیث۔
- موضوع علم درایۃ الحدیث۔
- ہدف علم درایۃ الحدیث۔
- دوسرے علوم حدیث۔

فصل اول: کلیات

مقدمہ

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حدیث اور روائی علوم، قرآن مجید کے بعد، احکام شرعی کے استنباط اور معارف بشری کے بیان کے سلسلے میں دوسرا مرجع ہیں۔ بزرگ شیعہ و سنی علماء کی انتھک محنتیں جو انہوں نے حدیث کے زینے میں مختلف کتب لکھنے اور تحقیق و فہم حدیث کی راہ میں محققین کی راہ کو ہموار بنانے کے سلسلے میں کیں، وہ بھی حدیث اور اس سے متعلق مختلف علوم کی تحقیق کی اہمیت پر دوگنی تاکید کرتی ہیں۔ انہی علوم میں سے ایک علم، علم درایۃ الحدیث ہے جس کا مقصد حدیث کا صحیح درک اور محققین حدیث کے لیے اس کے فہم کے دروازے وا کرنا ہے۔

اس فصل میں بعض کلیات کو بیان کیا جائے گا، جس میں اس علم کی تاریخ تدوین پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے گی اور اس کے بعد علم الدرایۃ کی تعریف اور پھر دوسرے علوم حدیث کے بیان اور شناخت کی جانب قدم بڑھائیں گے۔

ا۔ تدوین علم درایۃ الحدیث

تاریخ تدوین علم درایۃ الحدیث کی تحقیق میں تامل انگیز موضوعات میں سے ایک جسے ((مصطلح الحدیث)) بھی کہتے ہیں، اس علم کی تدوین کا مرحلہ ہے۔ اس بارے میں مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں کہ ہم اول کلام میں ان کی تحقیق کریں گے اور اس میدان میں شیعہ اور اہلسنت کے درمیان تالیف کے طریقے کی جانب بھی اشارہ کریں گے۔

الف) اہلسنت:

اہلسنت کے دمیان غالب خیال یہ ہے کہ علم درایۃ الحدیث کے میدان میں پہلے مؤلف ابو محمد حسن بن عبدالرحمن قاضی رامہرمزی (متوفی حدوداً ۳۶۰ھ) ہیں جو کتاب 'المحدث الفاضل بین الراوی و الواعی' کے لکھنے والے ہیں۔[1] اس کتاب[2] کی طبع نے ان افراد کے نظریے کو جو محمد بن عبداللہ نیشاپوری معروف بہ حاکم نیشاپوری (م ۵۴۴ھ) کو اس علم کا پہلا مؤلف سمجھتے ہیں رد کر دیا۔

---

[1] دیکھیے: قاری ہروی، شرح شرح نخبۃ الفکر فی المصطلحات اهل الاثر: ص۷-۱۳؛ عبدالرحمن سیوطی، تدریب الراوی: ج۱، ص ۵ و ۵۲؛ فرید وجدی، دائرۃ معارف القرن العشرین: ج۳، ص ۳۶۲؛ مصطفی بن عبداللہ قسطنطینی، کشف الظنون: ج۲، ص۱۱۶۳.

[2] اس کتاب کے مشخصات کچھ یوں ہیں: حسن بن عبدالرحمن رامہرمزی، المحدث الفاضل بین الراوی و الواعی، تحقیق محمد عجاج الخطیب، دار الفکر، اول، بیروت، ۱۳۹۱ھ۔

قاضی رامہرمزی کے بعد حاکم نیشاپوری، ابو نعیم اصفہانی (م ۴۳۰ھ)، خطیب بغدادی (م ۴۲۳ھ) اور قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) جیسے علماء نے اس علم میں بترتیب کتابیں تالیف کیں اور اس کی مباحث کی تحقیق کی۔[1] یہاں تک کہ قرن ہشتم میں ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمن شہرزوری معروف بہ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) کی کتاب جو مقدمۃ ابن الصلاح کے نام سے مشہور ہوئی، لکھ کر محققین حدیث کی توجہ جذب کی اور ان کی کتاب علم درایۃ الحدیث کا محور قرار پائی۔

ب) شیعہ:

محسوس ہوتا ہے کہ شیعہ علماء میں علم درایۃ الحدیث کے پہلے مؤلف کے بارے میں شایان شان بحث و تحقیق موجود نہیں۔ معاصرین میں سے علامہ سید حسن صدرؒ کا ماننا یہ ہے کہ اس میدان میں سب سے پہلی کتاب تالیف کرنے والی شخصیت کا نام حاکم نیشاپوری ہے۔[2] ان کے

---

[1] دیکھیے: قاری ہروی، شرح شرح نخبۃ الفکر فی المصطلحات اهل الاثر: ص۷-۱۳؛ عبدالرحمن سیوطی، تدریب الراوی: ج۱، ص۵؛ محمود ابوریہ، اضواء علی السنۃ المحمدیۃ: ص۲۷۳.

[2] حسن صدر، تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام: ص ۲۹۴. شایان ذکر ہے کہ بہت سے علمائے اہلسنت نے حاکم نیشاپوری کی جانب نسبت رفض (تشیع) دی ہے. لیکن علامہ صدر ان کے شیعہ ہونے پر اصرار کرتے ہیں. یہ بات تو بدیہی ہے کہ حاکم نیشاپوری کو اہلبیتؑ سے شدید علاقہ [اور محبت] تھی یہی چیز باعث بنی کہ اہلبیتؑ کے فضائل سے مربوط وہ احادیث جو بخاری اور مسلم نے صحیحین میں نقل نہیں کی تھیں، انہوں نے اپنی کتاب المستدرک علی الصحیحین میں نقل کیں، جو چیز ہمارے لیے

مطابق حاکم شیعہ تھے۔ اس کے باوجود علم درایۃ الحدیث کے پہلے مؤلف کے بارے میں تمام علمائے تشیع علامہ صدر کے ہم رائے نہیں۔

شیعوں کے یہاں علم درایۃ الحدیث کی وسعت قرن ہفتم میں علامہ حلیؒ (م ۷۲۶ھ) اور ان کے استاد سید ابن طاؤوسؒ (م ۶۷۳ھ) کے زمانے میں ملتی ہے۔[1] اس کے بعد ہمیں قرن ہشتم و نہم میں علم الدرایۃ کے بعض مباحث کی فقہی کتب میں تحقیق پر شواہد ملتے ہیں، جیسا کہ محمد بن جمال الدین مکی العاملی معروف بہ شہید اولؒ (ش ۷۸۶ھ) نے مقدمہ ذکری الشیعۃ میں اور احمد بن فہد حلیؒ (م ۸۴۱ھ) نے المهذب البارع کے مقدمے میں اس علم کے کچھ مباحث اور اصطلاحات کو بیان کیا ہے۔[2]

مشخص نہیں وہ ان کا اثناء عشری ہونا ہے۔ (علمائے تسنن کی ان کے بارے میں آراء جاننے کے لیے دیکھیے: شمس الدین ذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج۱۷، ص ۱۶۲؛ میزان الاعتدال: ج۳، ص ۶۰۸؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد: ج۳، ص ۹۴؛ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج۴، ص ۲۸۱؛ عبدالرحیم اِسنوی، طبقات الشافعیہ: ص ۱۳۰؛ عبدالوہاب سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ج۲، ص ۴۴۲)

[1] دیکھیے: شیخ حر عاملی، وسائل الشیعۃ: ج ۲۰، ص ۱۰۲؛ حسن بن زین العابدین عاملی، منتقی الجمان: ج۱، ص ۴؛ شیخ بہائی، مشرق الشمسین: ص ۳۰؛ یوسف بحرانی، الحدائق الناضرۃ: ج۱، ص ۱۴؛ محی الدین غریفی، قواعد التحدیث: ص ۱۵۔

[2] دیکھیے: ذکری الشیعۃ: ج۱، ص ۴۷؛ المهذب البارع: ج۱، ص ۶۶۔

قرن دہم میں شہید ثانیؒ (م ۹۶۵ھ) کے آنے کے بعد جب انہی کے توسط سے اس زمینے میں تین کتب کی تالیف عمل میں آئی، اس علم کے فقہی[1] کتب میں استعمال کی وجہ سے، علم درایۃ الحدیث ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گیا اور شہید ثانی گویا سب پر سبقت لے گئے۔ شہید ثانی کے شاگرد ابن عودی اپنے اس رسالے میں جس میں انہوں نے اپنے استاد کی اخلاقی اور علمی خصوصیات بیان کی ہیں، لکھتے ہیں ((و هذا العلم (علم دراية الحديث) لم يسبقه احد من علمائنا الى التصنيف فيه))؛[2] ہمارے علماء میں سے کوئی ایک بھی شہید پر اس علم میں تالیف کے معاملے میں سبقت نہیں لے سکا۔

اس کے باوجود علامہ خواجوئی (م ۱۱۷۳ھ) اس بات کے معتقد ہیں کہ علم الدرایۃ کی اصطلاحات نہ فقط یہ کہ علامہ حلیؒ سے پہلے موجود تھیں بلکہ یہ معصومینؑ کے زمانے میں بھی وجود رکھتی تھیں۔[3] علمائے متقدمین کے مکتوبات میں اس علم کی اصطلاحات درج ذیل نمونے کی صورت میں نقل ہوئی ہیں:

۱۔ شیخ مفیدؒ (م ۴۱۳ھ): شاذ و نادر؛[4]

---

[1] نمونے کے طور پر دیکھیے: شہید ثانیؒ، الروضۃ البہیمہ: ج۷، ص ۲۷۵ و ج۹، ص ۱۸۱۔

[2] دیکھیے: الروضة البهية: تحقیق محمد کلانتر، مقدمہ محقق، ج۱، ص ۱۸۱۔

[3] محمد اسماعیل خواجوئی، الفوائد الرجالیۃ: ص ۱۶؛ نیز دیکھیے: شیخ بہائی، مشرق الشمسین، ص ۳۲۔

[4] رسالۃ الرد علی اهل العدد: ص ۲۰؛ نیز دیکھیے: ابوالقاسم الخوئی، التنقیح: ج۱، ص ۳۲۱۔

۲۔ شیخ صدوقؒ (م ۳۸۱ھ): متفرد، غریب، اضطراب، مرسل، مسند، مرفوع؛[1]

۳۔ شیخ طوسیؒ (م ۴۶۰ھ): مرسل، مضطرب الاسناد و المتن، مقطوع، مرفوع؛[2]

۴۔ ابن ادریس حلیؒ (م ۵۹۸ھ): شاذ، نادر، خبر واحد، متواتر، مرسل؛[3]

۵۔ محقق حلیؒ (م ۶۷۶ھ): مقطوعہ۔[4]

۲۔ تعریف علم درایۃ الحدیث

الف) لغوی معنی:

اچھا ہے کہ علم درایۃ الحدیث کی تعریف سے پہلے اس کی لفظی معرفت حاصل کی جائے۔ راغب اصفہانی کہتے ہیں: [دری الشیء و بہ] یعنی اسے پہچانا۔ درایہ ایک ایسی شناخت و پہچان ہے جو تدبیر اور لازم مقدمات کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے۔[5] بنا بریں، یہ علم سے اخص ہے۔ لغت شناسوں نے جو کچھ اس بارے میں کہا ہے ان کا حاصل کلام یہ ہے:

---

[1] الخصال: ص ۸۱، ۹۳، ۱۰۲، ۱۱۷، ۲۰۳، ۲۰۷۔

[2] تھذیب الاحکام: ج ۷، ص ۲۷۲۔ ۲۷۳؛ نیز دیکھیے: احمد اردبیلی، مجمع الفائدۃ و البرھان: ج ۱۱، ص ۳۶۸۔

[3] السرائر: ج ۳، ص ص ۳۳۰۔ ۳۳۶، ۳۶۸ و ۳۸۸۔

[4] المختصر النافع: ص ۱۷۹۔

[5] المفردات راغب۔

۱۔ درایہ، علم کے مترادف ہے؛

۲۔ درایہ اس وقت صادق ہے جب اس کے سیاق میں شک ہو اور اس کے بعد علم و یقین حاصل ہو جائے؛[1]

۳۔ [دری] ایک مفعولی اور ایک استعمال رکھتا ہے، لیکن [علم] اگر [عَرَفَ] کے معنی میں استعمال ہو تو ایک مفعولی ہے اور اگر [یقین] کے معنی میں استعمال ہو تو دو مفعولی ہو جاتا ہے۔[2] جب کلمہ [دری] کو باب افعال میں لے جایا جائے تو یہ دو مفعولی ہو کر [أعلَمَ] کے معنی دے گا؛[3]

۴۔ جب بھی کلمہ [دری] کو باب افعال میں لے جایا جائے اور اس کا صیغہ ماضی ہو، تو قرآن کے استعمالات کے مطابق اس کا متعلق ذکر ہوگا: إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ *[4] لیکن اگر اسے فعل مضارع کے قالب میں استعمال کریں تو اس کا متعلق ذکر نہیں ہوگا: وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّى *[1]

---

[1] یہی وجہ ہے کہ لفظ [دری] ذات احدیت کے لیے استعمال نہیں ہوتا؛ کیونکہ خدا کے لیے شک اور اس کے بعد حصول علم معنی نہیں رکھتے۔ دیکھیے: مقباس الھدایۃ: ج ۱، ص ۴۰۔

[2] عباس حسن، النحو الوافی: ج ۲، ص ۱۳؛ نیز دیکھیے: شیخ طبرسی، مجمع البیان: ج ۱، ص ۲۶۳، ج ۵، ص ۵۱۵۔

[3] ابوالبرکات انباری، البیان: ج ۲، ص ۴۵۶۔

[4] القدر: ۱۔

ب) اصطلاحی معنی:

شیخ بہائیؒ الوجیزہ میں علم درایۃ الحدیث کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں: ((هو علم يبحث فيه عن سند الحديث و متنه و كيفية تحمله و آداب نقله))؛ علم الدریۃ الحدیث ایک ایسا علم ہے جس میں سند و متن حدیث، اور حدیث کو تحمل کرنے کی کیفیت اور اس کے آداب نقل کرنے کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔[3]

نیز شہید ثانیؒ لکھتے ہیں: ((هو علم يبحث فيه عن متن الحديث و طرقه من صحيحها و سقيمها و عليلها و ما يحتاج اليه يعرف المقبول منه و المردود))؛ درایۃ الحدیث ایک ایسا علم ہے جس میں متن حدیث اور طرق صحیح، غلط، ناقص اور انہی کی مانند چیزوں سے متعلق بحث ہوتی ہے تاکہ حدیث مقبول و مردود کی پہچان ہو جائے۔[4]

محقق مامقانی مذکورہ دونوں تعریفوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے، شیخ بہائی کی تعریف کو کیفیت تحمل اور اس کے آداب کے بیان کرنے کی وجہ سے منتخب کرتے ہیں۔[5]

---

[1] عبس: ۳.

[2] اس مطلب کے لیے دیکھیے: المفردات راغب؛ نیز: الفراء، معانی القرآن: ج ۳، ص ۲۸۰.

[3] الوجیزۃ، ترجمہ مہدی مرعشی: ص ۱۰؛ نیز دیکھیے: حسن صدر، نهاية الدراية: ص ۷۹؛ عبداللہ مامقانی، مقباس الهداية: ج ۱، ص ۴۱ و ۴۲.

[4] الرعاية: ص ۴۹.

[5] مقباس الهداية: ج ۱، ص ۴۱.

آقا بزرگ تہرانی ایک اور تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں: ((درایۃ الحدیث ایک ایسا علم ہے جو سند کی خصوصیات سے بحث کرتا ہے))۔[1]

اوپر بیان کی گئی تعریفوں سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ علم درایۃ الحدیث کی ابحاث کا ایک حصہ احادیث کی سند کی تحقیق اور ان کے راویوں اور ان کی خصوصیات کی بنا پر دستہ بندی سے مربوط ہے، جیسے حدیث صحیح، ضعیف، موثق، مرسل وغیرہ، کہ ہم بعد والی فصول میں ان میں سے ہر ایک کا تعارف پیش کریں گے۔ اس بات کا ذکر کرنا بھی لازم ہے کہ علم الدرایہ میں راویان سند کی تحقیق کا مطلب راویوں کی تشخیص نہیں جو اس کا موضوع علم الرجال کے ساتھ جا ٹکرائے، بلکہ یہاں منظور راویوں کی اجمالی شناخت ہے تاکہ حدیث کا معتبر یا غیر معتبر ہونا معلوم ہو سکے۔

۲۔ علم الدرایۃ الحدیث، حدیث کے متن کی اس نظر سے کہ اس کا مفہوم صریح ہے یا مجمل تحقیق کرتا ہے، اور یہ تحقیق مجمل، مقبول اور اسی طرح کے دوسرے عناوین کے تحت کی جاتی ہے کہ جن کا ذکر بعد والی فصول میں کیا جائے گا۔ بنابریں، ہم اس قسم کے مباحث میں اس قسم کی احادیث کی حجیت یا عدم حجیت کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ یہ موضوع علم اصول فقہ میں زیر بحث لایا جاتا ہے۔

۳۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم الدرایہ کی جتنی بھی تعریفیں پیش کی گئی ہیں، ان میں سے فقط آقائے بزرگ تہرانی ہی ہیں جنہوں نے فقط سندی جہت کو مد نظر رکھا ہے اور متن حدیث کی جانب توجہ نہیں فرمائی۔

---

[1] الذريعة: ج ۸، ص ۵۴.

۳۔ موضوع علم درایۃ الحدیث

ہر علم کے موضوع میں اس علم کے عوارض سے بحث کی جاتی ہے۔ بنابریں، علم الدرایہ، حدیث اور اس کی خصوصیات جیسے صحت، ضعف، اتصال، انقطاع وغیرہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ البتہ اس کے باوجود بھی اس کے بارے میں مختلف تعبیرات بیان کی گئی ہیں:

شہید ثانی لکھتے ہیں: علم درایۃ الحدیث کا موضوع راوی اور مروی ہے۔[1]

شیخ بہائی کہتے ہیں: ((موضوعه الحديث من حيث يعرف المقبول منه و المردود)) علم الدرایہ کا موضوع، حدیث مقبول و مردود ہے۔[2]

اس بارے میں مختلف تعبیرات کے موجود ہونے کے باوجود بھی ہم کلی طور پر صحت و سقم حدیث کو علم درایۃ الحدیث کا موضوع جان سکتے ہیں۔[3]

۴۔ ہدف علم درایۃ الحدیث

اس علم کا ہدف، علم الرجال کی طرح، معتبر اور غیر معتبر روایت میں تمیز کرنا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ علم الرجال میں اس موضوع کے تحت راویوں کی جدا جدا تحقیق کی جاتی ہے جبکہ علم الدرایہ میں سند و متن کی تحقیق کو اس امر میں مورد توجہ قرار دیا جاتا ہے۔ در حقیقت،

[1] الرعاية: ص۴۵.
[2] ایضاً.
[3] نهاية الدراية: ص۷۹.

ہدف علم الدرایہ ان اصطلاحات کی شناخت ہے، جن سے راویوں کے کلام کا سمجھنا اور حکم کا اخذ کرنا وابستہ ہے، تاکہ مقبول و غیر مقبول روایات کو پہچانا جا سکے۔[1]

۵۔ دوسرے علوم حدیث

اس فصل کے آخر میں بہتر ہے کہ دوسرے علوم حدیث اور ان کی دیگر انواع کی جانب ایک کلی اشارہ کیا جائے تاکہ ہم ان بقیہ علوم اور علم الدرایہ میں پائے جانے والے ارتباط کو درک کر سکیں۔[2]

الف) رجال الحدیث:

یہ علم راویوں کے اعتبار کی تحقیق کرتا ہے تاکہ ان کے صدق گفتار کی میزان یا ان کے بارے میں بیشتر تحقیق کی ضرورت کو معین کر سکے۔ اس کے باوجود کہ علمائے اسلام نے اس کی جانب بہت توجہ دی ہے، اخباری حضرات اس کے شدت سے منکر ہیں۔[3]

ب) فقہ الحدیث:

یہ علم شرح حدیث سے بحث اور اس کے متن کی لغوی اور زبانی نظر سے تحقیق کرتا ہے۔ ہم جوامع روائی شیعہ پر لکھی گئی کئی شروح میں، علم فقہ الحدیث (کی ابحاث) کو دیکھ سکتے ہیں۔[1]

[1] نهاية الدراية: ص۸۶؛ نیز دیکھیے: عبد الهادی فضلی، اصول الحدیث: ص۱۷.
[2] دیکھیے: صبحی صالح: علوم الحديث و مصطلحه: ص۱۰۷.
[3] یوسف بحرانی، الحدائق الناظرة: ج۱، ص۱۵.

ایسے ہی اہلسنت کے یہاں بھی شروح جوامع روائی جیسے فتح الباری، از ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) ارشاد الساری، از احمد بن محمد قسطلانی (م ۹۳۲ھ) اور عمدة القاری، از محمود بن احمد عینی (م ۸۵۵ھ) میں بھی اس سے مربوط ابحاث کو پیش کیا گیا ہے۔ ناگفتہ نہ رہے کہ یہ تینوں شروح الصحیح البخاری کی ہیں۔

[1] کتب اہلبیتؑ میں فقہ الحدیث کے باب میں ان کتب کا نام لیا جاسکتا ہے: روضة المتقین، علامہ محمد تقی مجلسی والد بزرگوار علامہ مجلسی؛ جس کی ۱۴ جلدیں ہیں۔ لوامع صاحبقرانی، علامہ محمد تقی مجلسی؛ اس کی ۷ جلدیں ہیں. یہ دونوں کتب من لا یحضرہ الفقیہ کی شروح ہیں. مرآة العقول، علامہ محمد باقر مجلسی، یہ الکافی کی شرح ہے جو ۲۷ جلدوں پر محیط ہے. ملاذ الاخیار فی شرح تہذیب الاحکام، علامہ محمد باقر مجلسی؛ یہ ۱۶ جلدوں میں شایع ہو چکی ہے. اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ علامہ مجلسی نے اپنی کتاب لاجواب، بحار الانوار میں جہاں جہاں ضرورت محسوس کی وہاں وہاں فقہ الحدیث اور شروح احادیث سے متعلق امور کی انجام دہی سے پرہیز نہیں کیا. الوافی، ملا محسن فیض کاشانی؛ اس کتاب میں کتب اربعہ کی احادیث کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اور ان میں موجود احادیث کے مشکل الفاظ کی شرح کی گئی ہے، یہ ۲۸ جلدوں میں شایع ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد علمائے تشیع کی جانب سے شرح چہل حدیث کے عنوان سے متعدد کتب لکھی جاچکی ہیں جن میں سے اخیر آآیت اللہ امام خمینی کی کتاب سب سے زیادہ مشہور ہوئی ہے. نہج البلاغہ کی بھی متعدد شروح لکھی جاچکی ہیں جو اسی علم کے ذیل میں آتی ہیں، ان شروح میں سے سید حبیب اللہ خوئی کی منہاج البراعہ جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے سب سے زیادہ مشہور ہے اور اس کی کچھ جلدوں کا علامہ محمد علی فاضل کے قلم سے اردو میں ترجمہ بھی شایع ہو چکا ہے.

(مترجم)

ج) غریب الحدیث:

یہ علم بطور خاص لغات الحدیث (یعنی احادیث کے الفاظ کے معنی) کی تحقیق کرتا ہے۔
شیعہ آثار میں دو کتب: مجمع البحرین، از فخر الدین طریحی (م ۱۰۸۵ھ) اور الطراز، از سید علی خان مدنی[1] (زندہ در ۱۱۲۰ھ) شایان ذکر ہیں۔ ایسے ہی اہلسنت کے یہاں بھی دو مشہور کتب اس علم کے تحت لکھی گئی ہیں: الفائق، از محمود زمخشری (م ۵۳۷ھ) اور النہایة، از ابن اثیر (م ۶۰۶ھ)

د) علاج الحدیث

یہ علم احادیث میں رفع تعارض اور اختلاف سے بحث کرتا ہے۔ شیخ طوسی کی کتاب الاستبصار میں اس علم کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

ھ) علل الحدیث [مشکلات حدیث]

علم علل الحدیث ان عوامل کی تحقیق کرتا ہے جو حدیث کی قدح کا باعث بنتے ہیں اور محقق حدیث کی نگاہ کو راوی اور روایت کے لیے منفی کر دیتے ہیں۔

[1] اس کتاب اور اس کے مؤلف کے بارے میں جاننے کے لیے دیکھیے: محمد حسن ربانی، شناسائی کتاب، الطراز و اللکناز لما علیہ لغة العرب المعول، آینہ پژوہش، شمارہ ۳، سال دوازدہم، مرداد۔ شہریور ۱۳۸۰ شمسی ہجری.

فصل دوم: اصطلاحات علم درایۃ الحدیث کا تعارف

- حدیث کی داخلی اصطلاحات
- حدیث کی خارجی اصطلاحات

فصل دوم: اصطلاحات علم درایۃ الحدیث کا تعارف

اس لیے کہ ہم احادیث کے مفہوم کو خوب اچھی طرح سے سمجھ سکیں، لازم ہے کہ ہم ان حالات و شرائط اور اوضاع کو جانیں جو چاہیں ثقافتی ہوں، اجتماعی ہوں یا سیاسی ...، کیونکہ حدیث نے انہیں امور میں اپنے پیر جمائے ہیں۔ اس کے علاوہ، محدثین اور روایات کی تحقیق کرنے والوں کی زبان سے آشنائی حاصل کرنا ایک انکار ناپذیر ضرورت ہے، جنہوں نے احادیث کی تحقیق و تبیین خاص الفاظ و کلمات اور مخصوص اصطلاحات کے قالب میں کی ہے۔

ہم اس فصل میں اس قسم کی اصطلاحات کی تحقیق کریں گے اور انہیں حدیث کی داخلی اور خارجی اصطلاحات کی تقسیم میں منقسم کر کے مختلف نظریات کو نقد و تحلیل کے ظرف میں سموئیں گے۔ اس بات کا ذکر لازم ہے کہ ہم ہر اصطلاح میں اس کے لغوی معنی بھی پیش کریں گے اور اصطلاحی معنی بھی، اور کبھی اصطلاحی معنی کے اس کے لغوی معنی کے ساتھ موجود ارتباط کی بھی تحقیق کریں گے۔

۱۔ حدیث کی داخلی اصطلاحات

الف) سنت:

لغت میں سنت مترادف ہے طریقے اور سنت کے اور اس کی اصل [سن] سے ہے جس کے معنی، پانی کو نرمی سے جاری کرنے کے ہیں۔[1]

یہ اصطلاح علم درایۃ الحدیث کے میدان میں شیعہ اور سنی حضرات کے یہاں متفاوت مفہوم رکھتی ہے، علمائے امامیہ کا ماننا ہے کہ ((سنت، قول معصوم، فعل معصوم اور تقریر معصوم ہے؛ یہ نہ قرآن ہے اور نہ کسی عام شخص کا کلام))۔[2] البتہ اہلسنت علماء کا کہنا ہے: ((سنت، عبارت ہے رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کے ساتھ ساتھ صحابہ کے طریقے سے بھی))۔ ان کے مطابق تمام اصحاب کے قول و فعل حجیت رکھتے ہیں۔[3]

ب) حدیث:

اصطلاح حدیث کے لیے مختلف تعریفیں بیان کی گئی ہیں جن میں سے مشہور ترین تعریف شیخ بہائی کی بیان کردہ ہے: ((الحدیث هو کلام یحکی قول المعصوم او فعله او

[1] احمد بن فارس، معجم مقائیس اللغة: ج۳، ص۶۰.

[2] نهایة الدرایة: ص۸۵؛ مشرق الشمسین: ص۲۴؛ محمد مجاہد کربلائی، مفاتیح الاصول: ص۲۷۹.

[3] نهایة الدرایة: ص۸۵.

تقریرہ))؛ حدیث وہ کلام ہے جو معصوم کے قول، فعل اور تقریر کی حکایت کرتا ہے۔[1]

اس تعریف میں کلمہ [یحکی] یعنی حکایت وسیع معنی رکھتا ہے اور لفظ و معنی کو بھی شامل ہے۔ بنابریں، کوئی مشکل نہیں کہ ہم بزرگ علمائے حدیث مثل شیخ صدوق و شیخ طوسی کی کتب کو احادیث کے زمرے میں شمار کریں کیونکہ وہ معصوم کے قول کی بیانگر ہیں، ہرچند کہ یہ دوسری جہات کے لحاظ سے حدیث کے اطلاق سے خارج ہوں۔[2]

اہلسنت علماء نے بھی حدیث کے لیے تعریفیں بیان کی ہیں۔ ان کے مطابق، ہر قول، فعل و تقریر نبویؐ، حدیث ہے: ((الحدیث... قول و فعل و تقریر نسب الی النبی ﷺ))۔[3]

اہلسنت کے نظریے کے مطابق لازم نہیں کہ حدیث معصوم سے ہی ہو بلکہ ان کے مطابق اصحاب و تابعین کے اقوال بھی حدیث کے ذیل میں جگہ پاتے ہیں، جبکہ امامیہ کے مطابق وہ حدیث جو معصوم سے نہ ہو، حدیث ہی نہیں ہے۔[4]

[1] شیخ بہائی، اربعین: ص۵۰۹؛ نیز دیکھیے: نهایة الدرایة، ص۸۰؛ جعفر سبحانی، اصول الحدیث: ص ۱۹.

[2] شیخ بہائی کی تعریف کی جانچ کے لیے دیکھیے: نهایة الدرایة: ص۸۱.

[3] ابوالبقاء، الکلیات: ص۱۵۲؛ نیز دیکھیے: ابن حجر، فتح الباری: ج۱، ص۱۷۳.

[4] میرزای قمی، قوانین الاصول: ص۴۰۹؛ شیخ عباس قمی، سفینة البحار: ج۲، ص۱۰۹؛ علامہ مجلسی، بحار الانوار: ج۲، ص۱۵۷؛ علامہ مجلسی، مرآة العقول: ج۱، ص۱۲۶.

اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ حدیث کے لغوی اور اس کے کلام میں مستعمل معنی میں تناسب پایا جاتا ہے؛ چونکہ لغت میں حدیث حدوث سے، تدریجی وقوع کے معنی میں ہے اور کلام و حدیث بھی تدریجاً وجود میں آتا ہے۔[1]

ج) خبر:

علم درایۃ الحدیث میں خبر، حدیث کے مترادف ہے۔[2] یہ لفظ لغوی لحاظ سے آگاہی اور خبر دینے کے معنی دیتا ہے۔ فعل [خَبَرَ] اس جگہ پر استعمال ہوتا ہے جہاں کسی چیز کو پہچانا جائے اور اس کی حقیقت کے بارے میں آگاہی حاصل کی جائے۔[3]

د) اثر:

لغت میں اثر کے معنی بچ جانے اور کسی چیز کے بقیہ حصے کے ہیں۔ بعبارت دیگر، اثر علامت کے معنی میں ہے۔ اس کلمے کی جمع آثار اور اُثور ہے۔[4] اس لفظ کا استعمال ہمیں قرآن میں بھی نظر آتا ہے: در حقیقت آثار وہ علامات اور تاثیرات ہیں جو انسان کے اعمال سے پیچھے بچ جاتے ہیں اور وہ جو انجام دیتا ہے روز قیامت اس سے اسکا حساب لیا جائے گا۔

علم الدرایۃ کی اصطلاح میں کلمہ اثر حدیث[5] یا حدیث اور خبر کے معنی سے عام معنی میں

---

[1] دیکھیے: اسماعیل جوہری، صحاح اللغۃ: ج۱، ص۲۷۸؛ معجم الفاظ القرآن: ج۱، ص۲۴۰.

[2] الرعایۃ: ص۵۰؛ مشرق الشمسین: ص۲۳.

[3] دیکھیے: المفردات راغب: ص۱۴۱.

[4] ابن منظور، لسان العرب: ج۴، ص۵.

[5] نہایہ الدرایۃ: ص۸۲.

ہے۔ شہید ثانی کہتے ہیں: اثر کا اطلاق خبر اور حدیث دونوں پر ہوتا ہے۔[1]

ھ) متن:

محققین حدیث کی اصطلاح میں متن ان کلمات و تعبیرات سے عبارت ہے جو آخری راوی نقل کرتا ہے، اور حدیث کے معنی اس پر مبنی ہوتے ہیں نیز یہ معصوم کے قول کو بیان کرتا ہے یا اس کے عمل کا بیانگر ہوتا ہے۔[2]

یہ نکتہ قابل ذکر ہے کہ کلمہ متن کے لغوی اور اصطلاحی معنی میں ایک مناسب رابطہ ڈھونڈا جا سکتا ہے؛ نمونے کے طور پر اس کے لغوی معنی میں سے ایک ((کھنچے ہوئے)) اور ((کھینچنے)) کے ہیں اور متن میں بھی ایک کے بعد ایک کلمے اور عبارت کو رکھنے کے لحاظ سے کھچے ہوئے ہونے کی سی صفت پائی جاتی ہے۔[3]

و) سند:

لغت میں سند کے معنی تکیہ گاہ کے ہیں۔ یہ معنی اس کے اصطلاحی معنی سے بڑا ہی قریبی ارتباط رکھتے ہیں؛ کیونکہ محدث یا راوی سند پر تکیہ کرتے ہوئے روایت کو نقل کرتا ہے۔[4] اس کی اصطلاحی تعریف کے ذیل میں مختلف تعبیرات نقل ہوئی ہیں جو سب کی سب ایک ہی

---

[1] الرعایۃ: ص۵۰.

[2] کاظم مدیر شانہ چی، درایۃ الحدیث، ص۱۷؛ مقباس الهدایۃ: ج۱، ص۵۰؛ الرعایۃ: ص۵۲.

[3] دیکھیے: مرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، ج۹، ص۳۴۰؛ محمد رضا مامقانی، مستدرکات مقباس الهدایۃ: ج۵، ص۱۹؛ محمد جمال الدین قاسمی، قواعد الحدیث: ص۲۰۲.

[4] نهایۃ الدرایۃ: ص۹۳؛ عبدالہادی فضلی، اصول الحدیث: ص۱۸؛ مقباس الهدایۃ: ج۱، ص۵۱.

مفہوم کی مخبر ہیں۔ ذیل میں ہم علمائے متقدمین و معاصرین میں سے چند کی تعریفوں کی جانب اشارہ کرینگے:

محقق مامقانی: ((السند و هو طريق المتن و هو جملة من رواة))؛ سند متن کی جانب پایا جانے والا طریق ہے جو روایات حدیث پر مشتمل ہوتا ہے۔[1]

شیخ بہائی: ((و سلسلة رواية الى معصوم سنده)) سند ایک زنجیر ہے جو متن حدیث کو معصوم تک پہنچاتی ہے۔[2]

آیت اللہ جعفر سبحانی: ((السند هو طريق المتن و المراد هنا مجموع من روّوه و احدا عن واحد حتى يصل الى صاحبه))؛ سند متن کا طریق ہے اور طریق سے مقصود تمام راوی ہیں جو ایک دوسرے سے نقل کرتے ہیں یہاں تک کہ حدیث اپنے اصل کہنے والے تک جا پہنچے۔[3]

ز) اسناد:

اسناد کا اصطلاحی مفہوم اس وقت واضح ہوگا جب ہم اس کے اور سند کے درمیان پائے جانے والے فرق کو جان جائیں۔ یہ علم الدرایۃ کے ان موضوعات میں سے ایک ہے جس کے بارے میں بہت زیادہ گفتگو کی گئی ہے۔

---

[1] مقباس الهداية: ج۱، ص۵۰.

[2] نهاية الدراية: ص۹۳.

[3] اصول الحديث: ص۱۸.

جو کچھ مربوط ابحاث سے حاصل ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ اسناد، اعمال و مراحل کا وہ مجموعہ ہے جو ایک مشخص ہدف تک پہنچنے کے لیے سند کی خبر دیتا ہے۔[1] دوسرے لفظوں میں جب کوئی محدث کہتا ہے: ((حدثنا عن فلان عن...)) تو وہ اپنی سند کے مراحل کو بیان کر رہا ہوتا ہے جبکہ سند فقط راویوں کے نام پر مشتمل ہوتی ہے جسے کوئی محدث حدیث کے متن کو نقل کرنے سے پہلے ذکر کرتا ہے۔

اسناد اور سند کے درمیان فرق کی اہمیت اس وقت روشن ہوتی ہے جبکہ ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کی اسناد صحیح ہوتی ہیں لیکن اس کی سند ایسی نہیں ہوتی اور یا اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ مجامع روائی میں ایسی احادیث دیکھی جا سکتی ہیں جنہیں ثقہ فرد نے ضعیف فرد سے اور یا ضعیف فرد نے حدیث کو صحیح طریق سے نقل کیا ہوتا ہے۔[2]

اس کے باوجود بھی کبھی کبھار سند اور اسناد کی اصطلاحات ایک ہی معنی پیدا کر لیتی ہیں اور بطور مجاز ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتی ہیں۔[3] شایان ذکر ہے کہ مُسند ایک اور اصطلاح کا مفہوم بھی رکھتی ہے، جسے آئندہ صفحات میں احادیث مشترک کی تحقیق کرتے وقت پیش کیا جائے گا۔

---

[1] نهاية الدراية: ص۹۴.

[2] اس بارے میں دیکھیے: مستدركات مقباس الهداية: ج۵، ص۲۴؛ میر داماد: الرواشح السماوية: ص۱۲۶.

[3] عبد الرحمن سیوطی، تدریب الراوی: ج۲، ص۱۵۴؛ صبحی صالح، علوم الحديث و مصطلحه: ص۴۰.

ح) حدیث قدسی:

حدیث قدسی وہ کلام ہے جو کلام الٰہی کو بیان کرتا ہے، لیکن قرآن کی طرح اس کے لیے تحدی موجود نہیں ہوتی۔[1] دوسرے لفظوں میں، حدیث قدسی وحی نہیں لیکن اس کا معنی اور مفہوم خدا کی جانب سے الہام، خواب یا اسی جیسی دوسرے چیزوں کے ذریعے پیغمبر ﷺ پر القاء ہوتا ہے اور وہ اس معنی اور مفہوم کو اپنے الفاظ کے قالب میں بیان فرماتے ہیں۔

اس قسم کی عبارت کا حدیث قدسی نام رکھنے کی وجہ اس کو منزہ رکھنا اور اس کی قداست ہے، جیسا کہ اس حدیث کو ربانی اور اسرار الوحی جیسے اوصاف سے بھی نوازا گیا ہے۔[2]

قرآن اور حدیث قدسی میں کچھ فرق پائے جاتے ہیں جن کی طرف ہم ذیل میں اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ قرآن معجزہ ہے لیکن حدیث قدسی ایسی نہیں؛

۲۔ منکر قرآن کافر ہے لیکن منکر حدیث قدسی نہیں؛

۳۔ الفاظ قرآن بنا کسی شک و شبہہ کے خدا کی جانب سے ہیں، لیکن حدیث قدسی کے الفاظ خدا کی جانب سے نہیں؛

۴۔ نماز قرآن کے ساتھ تو پڑھی جاسکتی ہے لیکن حدیث قدسی کے ساتھ نہیں؛

۵۔ قرآن کو بنا طہارت کے مس کرنا حرام ہے لیکن حدیث قدسی کو نہیں۔[1]

---

[1] شیخ بہائی، الوجیزہ، ترجمہ مہدی مرعشی: ص ۲۱؛ نیز دیکھیے: نهاية الدراية: ص ۸۵؛ شیخ صدوق، من لا يحضره الفقيه: ج ۴، ص ۳۴؛ حر عاملی، وسائل الشيعة: ج ۷، ص ۲۹۲.

[2] مستدركات مقباس الهداية: ج ۵، ص ۴۵.

۲۔ حدیث کی خارجی اصطلاحات

الف) اصطلاحات شخصی

اول: صحابہ:

صحابہ صاحب کی جمع ہے جو [صَحِبَ] ثلاثی مجرد کے حروف اصلی سے لیا گیا ہے، اس کے معنی ہمراہی کرنے کے ہیں۔[2]

تعریف صحابہ میں وہ نکتہ جو قابل تأمل ہے؛ شیعہ سنی میں اس اصطلاح کے حوالے سے پایا جانے والا اختلاف اور فرق ہے۔ اہلسنت علماء کے نزدیک صحابی وہ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک لحظے کے لیے بھی زندگی گزاری ہو۔ ان کی نظر میں تمام صحابی عادل ہیں۔[3]

لیکن علمائے تشیع کا یہ ماننا ہے کہ اصطلاح صحابہ کے مفہوم کا دائرہ اتنا وسیع نہیں کہ ہر کسی کو خود میں در لے، بلکہ ان کے مطابق صحابی وہ ہے جو مصاحبت رسول اللہ ﷺ کو ایمان کے ساتھ درک کرے اور ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا ہو۔ اہل تشیع کے مطابق

---

[1] ان موارد کے لیے دیکھیے: محمد علی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، : ج ۲، ص ۱۵۔

[2] ابن اثیر، النهاية: ج ۳، ص ۱۲؛ لسان العرب: ج ۱، ص ۵۱۹.

[3] نووی، شرح صحیح مسلم، ج ۱، ص ۳۶؛ ابن حجر، الاصابة: ج ۱، ص ۷؛ عمر بن محمد بیضاوی، نهاية السئول: ج ۳، ص ۱۷۹؛ ابوریہ، اضواء على السنة المحمدية: ص ۳۴۱.

تمام صحابہ عادل نہیں ہیں۔[1]

دوم: تابعین:

تابعین، تابعی کی جمع ہے یہ (یائے نسب کے ساتھ) [تَبِع] کے ریشے سے لیا گیا ہے جس کے معنی پیرو کے ہیں۔ علم درایۃ الحدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ ان افراد کے لیے بولا جاتا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت تو نہ کی ہو لیکن ان کے اصحاب کو درک کیا ہو۔[2]

سوم: مُخَضرَم:

یہ لفظ رباعی مجرد کے ریشے سے [خضرم] کا اسم مفعول ہے، جس کے معنی کٹے ہوئے اور جدا ہوئے ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں یہ اس کے لیے استعمال ہوتا ہے جس نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ درک کیا ہو لیکن رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت حاصل نہ کی ہو، اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ صحابہ کے گروہ سے کٹ گئے اور جدا ہوئے۔[3]

چہارم: مولیٰ:

شیعہ سنی حضرات میں کلیدی الفاظ میں سے ایک اور کلامی بحث کو بیان کرنے والا لفظ، کلمہ مولیٰ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ پر اتنی بحث و گفتگو کی وجہ اس لفظ کا رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبے کی عبارت میں آنا ہے: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ؛ یہ لفظ فریقین کے

1 دیکھیے: نہایۃ الدرایۃ: ص۳۴۱.

2 نووی، التقریب و التیسیر: ص۳۵.

3 نہایۃ الدرایۃ: ص۳۴۲.

یہاں احادیث میں کثرت کے ساتھ ذکر ہوا ہے، اور اپنے سیاق و سباق اور لفظی و معنوی قرائن کی بنا پر، مختلف معنی کا حامل ہوتا ہے۔[1]

اس کے باوجود بھی، کتب رجال و تراجم میں اس لفظ کے معنی ایسے غلام کے ہیں جس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہو۔ اور اگر یہ قبیلے کے ساتھ اضافہ ہو تو اس کے معنی ہم پیمان کے ہیں، اور اگر بنا اضافے کے استعمال ہو تو اس کے معنی غیر عرب [موالی] کے ہونگے۔ [دیکھیے: تتمہ ۱:]

ب) اصطلاحات تحمل حدیث

بلاشک و ریب حدیث قرآن کے بعد تشریع اسلامی کا دوسرا منبع ہے، لہذا اس امر میں کہ اسے کس طرح نقل اور روایت کرنا ہے دقت کرنا ایک ضروری امر ہے۔ علمائے شیعہ و اہلسنت نے نہ فقط یہ کہ راویوں کے حالات کی تحقیق کے لیے بال کی کھال اتارتے ہوئے کتب رجال کی تالیف کا کام انجام دیا، بلکہ روائی متون کو نقل کرنے کے لیے جامع و مانع انداز میں مختلف شیوؤں کی تحقیق بھی کی۔

علم الدرایۃ میں ہم مختلف عناوین جیسے: [الاداء]، [النقل]، [التحمل] اور انہی جیسے دوسرے الفاظ کے روبرو ہوتے ہیں، جن میں سے ہر ایک راویوں میں نقل حدیث کے شیوے کی جانب اشارے کے ہمراہ، ان کی مختلف اقسام کو بیان کرتا ہے۔ بحث میں داخل ہونے سے پہلے ہم تحمل حدیث کے معنی سے آشنا ہو جائیں۔

1 دیکھیے: النہایۃ: ج۵، ص۲۲۸؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۳۵۹.

تحمل حدیث:

تحمل حدیث کے معنی، حدیث کو راوی یا استاد (شیخ) سے اخذ یا حاصل کرنے کے ہیں۔

حدیث کو اخذ کرنے کے سلسلے میں تین شروط لازم ہیں:

۱۔ حاصل کرنے والا قدرت تشخیص و تمیز رکھتا ہو؛

۲۔ حاصل کرنے والا عاقل ہو؛

۳۔ ماحول کے غیر موافق حالات، نیند سے دوچار ہونا اور اس قسم کے دوسرے موانع جو اخذ حدیث میں حائل ہوں، جیسے عوامل کی عدم موجودگی۔

حدیث کو حاصل و اخذ کرنے کے مختلف شیوے ہیں جن میں سے ہر ایک، کسی خاص اصطلاح کے تحت جگہ پاتا ہے، اور اب ہم ان کو پیش کریں گے۔ شایان ذکر ہے کہ ان شیووں کی تعداد میں اختلاف ہے، بعض نے انہیں سات بتایا ہے جبکہ بعض کے مطابق یہ آٹھ ہیں۔

[دیکھیے: تتمہ: ۲]

اول: سماع:

اخذ حدیث کا بہترین طریقہ استاد سے سننا (سماع) ہے۔ اس روش میں استاد احادیث کو کتاب سے دیکھ کر پڑھتا ہے یا جو احادیث اسے یاد ہوتی ہیں وہ انہیں اپنے حافظے کی بنا پر نقل کر کے شاگردوں کو سناتا ہے۔ اس روش میں بہترین راہ املاء ہے؛[1] ان معنی میں کہ استاد شاگرد کو

---

[1] املاء افعال کے وزن پر ہے جو دراصل املال تھا، اس کا دوسرا لام تکرار سے بچنے کے لیے یاء میں تبدیل ہو گیا، جیسے لفظ تظنی کہ اصل میں تظنن تھا. (دیکھیے: حسن مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن:،

حدیث بول کر لکھوائے۔ اس کام میں بولنے والے کو [مُملی] اور جو لکھ رہا ہوتا ہے اسے [مُستَملی] کہتے ہیں۔ اور اس قسم کی تحریرات کو جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہو، [امالی] کہا جاتا ہے۔[1]

دوم: قرائت:

اس طریقے میں شاگرد یا راوی، روایات کو اپنے استاد کے لیے پڑھتا ہے اور وہ اپنے سکوت سے ان کی تائید کرتا ہے۔ اس قسم کی تعبیرات: [قرأتُ علی فلان فاقرّ به و اعترف] ، [حدثنا فلان قراءة علیه] اور [اخبرنا فلان قراءة علیه] اسی روش و شیوے کی جانب اشارہ ہیں۔ اس کے باوجود بھی کبھی کبھار [حدثنا] اور [اخبرنا] کی تعبیرات کا [قراءة علیه] کی قید کے علاوہ آنا بھی اس روش کی خبر دیتا ہے۔ اس شیوے کو بعنوان ((عرض)) بھی یاد کیا جاتا ہے۔

سوم: اجازہ:

اس طریقے میں استاد اپنے شاگرد کو کتبی اجازہ دیتا ہے، تاکہ شاگرد حدیث کو اس خاص کتاب یا کتب احادیث جن کے نقل کرنے کا خود استاد کے پاس اجازہ تھا، سے روایت کرے۔

ج۱۱، ص ۱۷۲؛ احمد بن فارس، مجمل اللغة: ص ۷۷۲) یہ دونوں الفاظ قرآن میں استعمال ہوئے ہیں۔ (دیکھیے: معجم الفاظ القرآن: ج۲، ص۲۲۵).

[1] شایان ذکر ہے کہ کتب امالی فقط مسائل احادیث کو ہی پیش نہیں کرتیں، بلکہ ان کے موضوعات کی وسعت، تفسیر، ادبی اور اسی قسم کے دوسرے مسائل تک کو اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں. جیسے امالی سید مرتضی، تفسیر میں اور امالی ابو علی قالی ادب میں.

[حدثنی اجازۃ] کی تعبیر اس شیوے کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ اس بات کا ذکر کرنا بھی لازم ہے کہ اس قسم کے اجازے علمائے متاخرین ومتقدمین کے درمیان اتصال کی کڑی ہیں۔[1]

چہارم: مناولہ:

مناولہ [ناولہ] کے ریشے سے بخش دینے کے معنی میں ہے۔ اس میں استاد اپنی کوئی حدیثی کتاب یا تحریر شاگرد کو بخش دیتا ہے یا اسے امانتاً دیتا ہے تاکہ وہ اسے نقل کرلے۔ یہ بات قدرتی ہے کہ مناولہ استاد کے اجازہ کے ساتھ ہوتا ہے۔[2]

پنجم: کتابت:

اس طریقے میں استاد اپنے شاگرد کے لیے احادیث وروایات لکھتا ہے یا حکم دیتا ہے کہ اس کے لیے لکھی جائیں۔ اس شیوے میں لازم نہیں کہ شاگرد استاد سے احادیث لکھنے کی درخواست کرے۔ اگر ایسا ہو تو پھر کلمہ ((مکاتبہ)) سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

ششم: اعلام:

جب استاد اپنے شاگرد کو آگاہ کرتا ہے کہ اس نے فلاں حدیث کسی سے سنی اور روایت کی ہے، تو اس شیوے کو اعلام کہتے ہیں۔ اس میں استاد سے اجازہ نہیں لیا جاتا۔ [أعلمنا] کی تعبیر اس شیوے کی بیانگر ہے۔

[1] اس قسم کے اجازات اور ان کے مکتوب متن کے لیے دیکھیے: بحار الانوار: ج۱۰۵، ص۲۹۹؛ شہاب الدین مرعشی نجفی، الاجازة الکبیرة؛ محمود مرعشی، المسلسلات.

[2] محمد باقر بہبودی، معرفت الحدیث: ص۳۶.

ہفتم: وصیت:

اس طریقے میں استاد سفر پر جانے یا مرنے سے پہلے یہ سفارش کرتا ہے کہ اس کی حدیثی تحریر کو اس کا شاگرد نقل کرے، اس شیوے میں استاد کو [موصی] اور شاگرد کو [موصی لہ] کہتے ہیں۔

ہشتم: وجادہ:

وجادہ، [وَجَدَ] کے ریشے سے حاصل شدہ مصدر جعلی ہے جس کے معنی پانے کے ہیں۔ اس شیوے میں شاگرد کسی کتاب یا حدیثی تحریر کو پاتا ہے جس کے بارے میں یا تو یقین رکھتا ہے یا احتمال دیتا ہے کہ یہ اس کے استاد کی ہے۔ اس شیوے میں یہ لازم نہیں کہ مؤلف کتاب، کتاب کو دریافت کرنے والے سے متقدم یا اس کا معاصر ہو۔ تعبیرات: [وجدتُ فی کتاب فلان]، [وجدتُ فی کتاب ظننتُ انّہ بخط فلان]، [وجدتُ فی کتاب اخبرنی فلان انّہ بخط فلان] اور اس قسم کی دوسری تعبیرات، کے ذریعے اس شیوے کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے۔ شایان ذکر ہے کہ علماء نے اس قسم کی احادیث اور وجادوں سے استناد کیا ہے۔[1]

ج۔ اصطلاحات کتاب شناسی

علم درایۃ الحدیث میں، اصطلاحات شخصی جو راوی سے مربوط ہیں اور وہ اصطلاحات جو حدیث اور اس کی خصوصیات سے مرتبط ہیں، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے، کے علاوہ کچھ دوسری

[1] امام تقیؑ سے روایت ہے اس حدیث کے بارے میں جسے تقیے کی وجہ سے ظاہر نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن بعد میں بعض لوگوں کو وہ مل گئی، پوچھا گیا تو امام نے اس پر عمل کرنے کو جائز شمار فرمایا۔ (دیکھیے: الکافی: ج۱، ص۵۳؛ مرآۃ العقول: ج۱، ص۱۸۲)

اصطلاحات بھی موجود ہیں جو کتب و مجموعہ ہائے حدیثی اور انکی خصوصیات کے محور کے گرد گھومتی ہیں۔ ان اصطلاحات کو اصطلاحات کتاب شناسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اب ہم انہی کے بارے میں مطالب عرض کریں گے۔ شایان ذکر ہے کہ ان میں سے کچھ اصطلاحات ایسی ہیں جو یا فقط شیعوں کی کتب یا فقط اہلسنت کی کتب سے خاص ہیں، لیکن ان میں سے اکثر مشترک ہیں۔

اول: اصل، کتاب، مصنَّف:

اصل وہ مجموعہ روائی ہے جسے راوی نے بطور مستقیم زبان معصومؑ سے سنا اور لکھا ہو۔ اس تعریف میں کتاب اور مصنف، اصل کے مترادف ہیں۔ ایک دوسری تعریف کے مطابق اصل کو فقط کلام معصومؑ جانا گیا ہے، لیکن کتاب اور مصنف معصوم کے کلام کے علاوہ مؤلف کے کلام اور تعبیرات پر بھی مشتمل ہوتی ہے۔[1]

دوم: جزء:

یہ اصطلاح اہلسنت کی کتب درایۃ الحدیث میں دکھائی دیتی ہے، اور یہ اس کتاب کو کہا جاتا ہے جس کی احادیث اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی ایک سے یا صحابہ کے بعد روایت ہوئی ہوں۔ جیسے ((جزء ابی بکر))؛ یا یہ کہ اس کی احادیث کسی ایک خاص موضوع کے گرد گھومتی ہوں، جیسے ((جزء سیوطی)) کہ جو نماز ظہر کے بارے میں ہے۔[2]

---

[1] کاظم مدیر شانہ چی، درایۃ الحدیث: ص۲۶-۲۷.

[2] دیکھیے: درایۃ الحدیث: ص۲۹؛ جعفر سبحانی، اصول الحدیث و احکامہ: ص۲۳۲.

سوم: مُسنَد:

مسند ان روایات کا مجموعہ ہے جس کی احادیث، حدیث کے آخری راوی کے نام کی اساس پر جو یا رسول اللہ ﷺ کا صحابی ہو یا اصحاب آئمہؑ میں سے کوئی ایک ہو، جمع کی جاتی ہیں۔ بعض مسندوں میں آخری راویوں کے نام حروف ابجد کے اعتبار سے ترتیب دیے جاتے ہیں، کبھی یہ سوابق اسلامی کے حساب سے ہوتا ہے اور کبھی اس قسم کی احادیث میں راویوں کا نسب معیار تنظیم قرار پاتا ہے۔[1]

چہارم: آمالی (مجلس):

امالی کا اطلاق زیادہ تر حدیثی کتب پر ہوتا ہے، جن کا استاد اپنی حدیثی نشستوں میں (جنھیں مجلس کہتے ہیں) اس کے مطالب اپنے شاگردوں اور مخاطبین کو املاء کرواتا ہے۔ امالی کو مجالس کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔[2] اس سے پہلے اخذ حدیث (تحمل) کے طریقوں میں، سماع کے ذیل میں امالی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

پنجم: جامع:

جامع وہ کتاب ہے جو احادیث کے تمام باب، جیسے اعتقادی، احکام، تفسیر، تاریخ، آداب اجتماعی و انفرادی، مناقب، اور سفر کو شامل ہو۔[1]

---

[1] دیکھیے: اصول الحدیث و احکامہ: ص۲۳۲.

[2] درایۃ الحدیث: ص۳۰.

ششم: معجم:

معجم اس حدیثی کتاب کو کہا جاتا ہے جس کی احادیث صحابہ کی ترتیب اور ان کے سوابق اسلام کے حساب سے اور یا اساتید یا علاقوں یا قبائلوں کے حساب سے تنظیم دی گئی ہیں۔[۲]

ہفتم: مُستخرَج:

مستخرج وہ کتاب ہے جس کا مولف، کسی حدیثی کتاب کی احادیث کو اس کے مؤلف کی طرف استناد دیے بنا نقل کرے اور وہ اس کے ساتھ استاد یا اس سے بالاتر افراد میں مشترک ہو۔ **مستخرج ابی بکر اسماعیلی**، نسبت بہ **صحیح بخاری**، اور **مستخرج ابی عوانہ**، نسبت بہ **صحیح مسلم** ایسی ہی ہیں۔[۳]

ہشتم: مُستدرک:

مستدرک وہ کتاب ہے جو کسی دوسری حدیثی کتاب کے نواقص کو برطرف کرے اس شرط کے ساتھ کہ پہلی کتاب کے مؤلف کے مبانیات کی رعایت کی جائے۔ کتاب **مستدرک علی الصحیحین** حاکم نیشاپوری اور **مستدرک الوسائل**، محدث نوری ایسی ہی ہیں۔ حاکم نے اپنی کتاب میں ان روایات کو نقل کیا ہے جو بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل نہیں

---

[۱] اصول الحدیث و احکامہ: ص۲۳۱.

[۲] اصول الحدیث و احکامہ: ص۲۳۲.

[۳] ایضاً.

کیں، جیسے فضائل آئمہ اطہارؑ۔ ایسے ہی محدث نوری نے ان روایات کو بیان کیا ہے جو وسائل الشیعہ میں بیان نہیں ہوئیں۔

نہم: نوادر:

نوادر وہ کتب ہے کہ جو ان احادیث پر مشتمل ہوتی ہیں جنہیں ان کی تعداد کی کمی کی وجہ سے کسی مستقل باب کے تحت نہیں رکھا جاتا۔

دہم: مَشیخہ:

اس بنا پر کہ یہ لفظ اسم مکان ہے نہ مترادف مشائخ، اُس کتاب کے معنی میں ہے جس میں شیوخ (اساتید) اور ان کی احادیث کے سلسلۂ اسناد ذکر کیے گئے ہوں۔ [دیکھیے: تتمہ: ۳]

فصل سوم: خبر کی اقسام

- خبر متواتر
- خبر واحد

فصل سوم: خبر کی اقسام

مقدمہ

علم درایۃ الحدیث کی ابحاث میں سے ایک سنجیدہ بحث احادیث کی دستہ بندی اور خبر کی اقسام کی بحث ہے۔ علمائے حدیث نے مختلف معیارات پر توجہ رکھتے ہوئے احادیث کی دستہ بندی کی ہے۔

راویوں کی تعداد، ان کی خصوصیات، معصوم تک سند کا اتصال یا عدم اتصال اور راوی کی توثیق یا عدم توثیق تقسیم حدیث کے بعض معیارات ہیں۔

اس کے باوجود، معلوم ہوتا ہے کہ ایک منطقی اور قابل قبول تقسیم کے تحت خبر، متواتر اور واحد میں تقسیم ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک اپنے تحت دوسری انواع حدیث کو جگہ دیتی ہے۔ اس فصل میں ہم اس قسم کے اخبار کا بیان اور تناسب کے تحت ان کی حجیت کے بارے میں بھی کلام پیش کرینگے۔

ا۔ خبر متواتر

الف) لفظی معنی

'متواتر' باب تفاعل سے اسم فاعل ہے جس کا ریشہ 'وتر' ہے۔ اس ریشہ کا مصدر ثلاثی مجرد [تتری] ہے جس کے معنی ہیں ((ایک دوسرے کے پیچھے ہونا بہت ہی کم فاصلے کے ساتھ))۔[1] قرآن وحدیث میں بھی یہ معنی دیکھنے کو ملتے ہیں: ﴿ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا﴾ پس ہم نے اپنے رسولوں کو ایک کے بعد ایک کر کے روانہ کیا۔[2] ایسے ہی حدیث نبوی ﷺ میں قضا روزے رکھنے کے بارے میں آیا ہے: «لا بأس أن يُواتر قضاء رمضان».

اس حدیث کی اساس پر لازم نہیں کہ روزوں کی قضا پے در پے اور ہر روز کی جائے بلکہ اگر ان کے درمیان فاصلہ بھی آ جائے تو کوئی مشکل نہیں اور قضا میں تتابع کا لحاظ رکھنا لازم نہیں؛ کیونکہ مادہ ((تواتر)) اس پر دلالت کر رہا ہے۔[3]

ب) اصطلاحی معنی

علم درایۃ الحدیث کی اصطلاح میں خبر متواتر اپنے لفظی معنی سے براہ راست ارتباط رکھتی ہے اور بطور کلی یہ اس خبر کی بیانگر ہے جو تواتر کے ساتھ سنی گئی ہو۔

---

[1] احمد بن فارس، معجم مقاييس اللغة؛ تحقیق محمد عبدالسلام ہارون: ج۶، ص۸۴.

[2] المومنون: ۴۴.

[3] ابن اثیر؛ النهاية: ج۵، ص۱۴۸.

اس کے باوجود، احادیث پر متواتر کا صادق ہونا کچھ شرائط کا حامل ہے جنہیں ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ علمائے حدیث نے خبر متواتر کے لیے مختلف تعریفات ذکر کی ہیں جن میں سے ہر ایک در حقیقت خبر متواتر کی شروط کو بیان کرتی ہیں، ((وہ خبر جو صدق آور ہو))[1] اور ((وہ خبر جس کی نقل میں راویوں کے جھوٹ کا امکان نہ ہو))[2] یہ ان جملہ تعریفات میں سے ہیں جو خبر متواتر کے لیے بیان کی گئی ہیں اور خبر متواتر کی شرائط کی جانب اشارہ کرتی ہیں۔

ج) خبر متواتر کی شرائط

جو کچھ علمائے حدیث نے بیان کیا ہے اس کی بنا پر حدیث متواتر کی شرائط کو تین شرطوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے:

۱۔ خبر دینے والوں کی تعداد اس حد تک ہونی چاہیے کہ ان کا جھوٹ پر گٹھ جوڑ کرنے کا امکان نہ رہے۔

۲۔ آغاز سے اختتام تک راویوں کے تمام طبقات میں سند (اور اس کے راوی) اس حد تک پائی جاتی ہو کہ تواتر کے لیے لازم عدد محقق ہو جائے۔

---

[1] حسن صدر؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۹۷.

[2] دیکھیے: میرزائی قمی؛ قوانين الاصول: ج۱، ص۴۲۰.

۳۔ راویوں کا خبر دینا حسی ہو نہ کہ حدسی۔[1]

ان شرائط میں جو چیز تحقیق کے شایان شان ہے وہ ((عدد تواتر)) ہے۔ اہلسنت علماء میں اس عدد کے بارے میں بہت سے اقوال موجود ہیں۔ ان میں سے بعض نے اسے ۴ افراد سے زیادہ جانا ہے، بعض نے انہیں ۱۰، ۱۲، ۲۰، ۴۰، ۷۰ اور ۱۰۰ تک جبکہ بعض نے اسے اصحاب بدر (یعنی ۳۱۳) کی تعداد کے برابر مانا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے کوئی نہ کوئی قرآنی دلیل تراشی ہے جو اس عدد کے حوالے سے ان کے لیے قابل قبول تھی۔[2]

لیکن لازم ہے کہ کہا جائے: تواتر خبر کے تحقق کے لیے معیار اس سے علم ویقین کا حاصل ہونا ہے، پھر چاہے راویوں کی تعداد ۴ سے زیادہ ہو یا ۷۰ سے زیادہ۔ بنا بریں، قرآنی آیات اور ان افراد کے دلائل میں کوئی ارتباط نہیں پایا جاتا جنہوں نے ان آیات سے نتیجہ نکلتے ہوئے کسی

---

[1] علامہ محمد، ضیاء الدرایۃ: ص ۵۰؛ نیز دیکھیے: حسن بن یوسف حلی، مبادی الوصول الی علم الاصول: ص ۲۰۰؛ محمد باقر الصدر: بحوث فی علم الاصول: ج ۴، ص ۳۲۸؛ میرزائے قمی، قوانین الاصول: ج ۱، ص ۴۲۲؛ حسن عاملی، معالم الاصول: ص ۱۸۶؛ عبداللہ مامقانی، مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۱۰۵؛ ابن اثیر، جامع الاصول: ج ۱، ص ۲۶.

[2] مثلاً: سورہ مائدہ کی آیت ۱۲ سے ۱۲ کا عدد لیا گیا، سورہ اعراف کی آیت ۱۵۵ سے ۷۰ کا عدد لیا گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۱۱۳. (نیز دیکھیے اصول الحدیث از علامہ عبدالہادی فضلی: ص ۷۷؛ جو مترجم کے توسط سے کتاب حاضر سے پہلے اردو کے قالب میں ڈھل چکی ہے)

خاص عدد کی نشاندہی کی ہے۔[1]

د) اقسام تواتر

تواتر یا خبر متواتر تین اقسام میں منقسم ہیں جو عبارت ہیں:

اول: تواتر لفظی

خبر متواتر لفظی وہ خبر ہے جس کے تمام کلمات لفظ بہ لفظ یکساں طور پر نقل ہوئے ہوں۔[2] اس بارے میں جو بحث موجود ہے وہ یہ ہے کہ کیا اس قسم کی روایات خارج میں وجود رکھتی ہیں؛ کیونکہ یہ چیز بعید معلوم ہوتی ہے کہ اس طول زمان میں تمام راویوں نے حدیث کو لفظ بہ لفظ بنا کسی معمولی سے اضافے یا حذف کے ساتھ نقل کیا ہو۔ بعض علمائے حدیث اہلسنت نے حدیث متواتر لفظی تک رسائی حاصل کرنے کو ایک سخت بلکہ غیر ممکن امر گردانا ہے۔[3] اور بعض کثرت کے ساتھ ان روایات کا اعتقاد رکھتے ہیں۔[4] ان دونوں افراطی و تفریطی نظریات کے درمیان میانی نظر بھی موجود ہے جو بعض متواتر لفظی روایات کی قائل ہے۔ مذکورہ نظر کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی حدیث: ((فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) جو کوئی

---

[1] الرعایۃ: ص ۶۳؛ محمد مجاہد، مفاتیح الاصول: ص ۳۳۵ تا ۳۳۶.

[2] مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۱۲۳.

[3] عثمان بن عبدالرحمن شہرزوری، مقدمہ ابن الصلاح: ص ۱۲۳.

[4] دیکھیے: عبدالرحمن سیوطی، تدریب الراوی: ج ۲، ص ۱۷۹.

بھی مجھ پر عمداً جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے؛ شیعہ و سنی افراد کے درمیان اور حدیث غدیر خم اور حدیث منزلت شیعوں کے درمیان تواتر لفظی کے ذیل میں جگہ پاتی ہے۔[1] اور ایسے ہی حدیث ثقلین جس کے شروع کا جملہ: ((إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ)) متواتر لفظی ہے لیکن اس کی باقی عبارات کی نقل میں اختلاف (لفظی) دیکھنے کو ملتا ہے۔[2]

دوم: متواتر معنوی:

احادیث متواتر معنوی میں یکساں مطالب مختلف الفاظ اور تعبیرات کے ساتھ نقل ہوتے ہیں اس صورت میں کہ مخاطب کے لیے یقین حاصل ہونے کی وجہ بن جاتے ہیں۔ اس قسم کی احادیث کے نمونے کے لیے روایات کے درمیان ان منقولات کو دیکھا جا سکتا ہے جو واقعات اور حادثات کے بارے میں کلام کرتی ہیں۔ احادیث متواتر معنوی کا اشتراک معنائی یا تضمنی قسم کا ہوتا ہے اور یا التزامی؛ مثال کے طور پر: روایات کا وہ مجموعہ جو غزوات میں امیر المومنین کی فداکاری اور کوششوں کے بارے میں کلام کرتا ہے سے الزامی طور پر ان کی شجاعت اور دلیری کو اخذ کیا جا سکتا ہے۔[3]

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص۱۰۰.

[2] اصول الحدیث: ص۳۵.

[3] معالم الاصول: ص۱۸۶.

دوسرے اسلامی علوم جیسے علم اصول و فقہ میں بھی اس قسم کی احادیث سے استناد کیا گیا ہے؛ نمونے کے طور پر اخباریوں نے قرآن کریم کے عدم ظواہر کے معاملے میں اس قسم کی روایات سے استناد کیا ہے۔[1] اور بعض احادیث متواتر معنوی کی جانب توجہ رکھنے کی وجہ سے حجیت خبر واحد پر یقین رکھتے ہیں۔[2] ایسے ہی وہ احادیث جو ((اخبار العرض)) کے نام سے موسوم اور ان روایات کی نفی کرتی ہیں جو قرآن کے مخالف ہوں، انہیں بھی احادیث معنوی متواتر جانا گیا ہے۔[3]

سوم: تواتر اجمالی

بعض اوقات چند روایات جو سند کے اعتبار سے مخدوش ہوتی ہیں کسی مشترک امر کو بیان کرتی ہیں اور ان کے مجموعے سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ان روایات میں سے ایک صحیح اور موضوع کے بیان میں قطعی الصدور ہے۔ اس قسم کی روایات پر متواتر اجمالی کے نام کا اطلاق ہوتا ہے؛ جیسے اخبار حجیت خبر واحد کہ ہو سکتا ہے یہ جداگانہ طور پر تو کسی نہ کسی خدشے کا شکار

---

[1] شیخ انصاری، الرسائل: ج۱، ص۵۶؛ وسایل الشیعۃ: ج۱۸، ص۲۰؛ یوسف بحرانی، الحدائق الناضرۃ: ج۱، ص۲۹.

[2] شیخ بہائی: الاربعین: ص۱۰؛ الرسائل: ج۱، ص۱۴۳.

[3] بحارالانوار: ج۲، ص۲۶۵؛ الرسائل: ج۱، ص۱۱۱.

ہوں لیکن ان کے مجموعے سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ خبر واحد حجت ہے۔[1]

۲۔ خبر واحد

حدیث کی اقسام میں سے ایک اور قسم خبر واحد ہے۔ جو کچھ علمائے حدیث کی بیان کردہ تعریفات سے ہاتھ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ خبر واحد وہ خبر ہے جو حد تواتر تک نہ پہنچی ہو، چاہے اس کے راوی کم ہوں یا زیادہ۔ اس قسم کی روایات خود بخود یقین آور نہیں ہوتیں لیکن یہ کہ کچھ قرائن ان کے ہمراہ ہوں تاکہ ان کی اساس پر ان روایات کے مفہوم پر عمل کیا جاسکے۔ درحقیقت خبر واحد پر عمل کرنے کے حوالے سے بہترین نکتہ اس کا معصومؑ سے صدور پر اطمینان کا حصول ہے۔[2]

یہ قرائن مختلف ہیں جنہیں بطور کلی چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ آیات قرآن کریم؛

۲۔ سنت قطعی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؛

۳۔ اجماع؛

۴۔ عقلی اصول۔

---

[1] دیکھیے: ابوالقاسم الخوئی، مصباح الاصول: ج۲، ص۱۹۲؛ قوانین الاصول: ص۴۳۶۔

[2] معالم الاصول: ص۱۰۲؛ الرعایۃ: ص۶۹؛ حسن بجنوردی، منتہی الاصول: ج۱، ص۱۱۱۔

اس کے علاوہ لازم ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنے کے سلسلے میں راوی خبر کی شرائط پر بھی توجہ رکھی جائے۔ علمائے حدیث نے راوی کے لیے کچھ شرائط کا ذکر کیا ہے جو ذیل میں بیان کی جارہی ہیں:

۱۔ تکلیف (شرعی): اس بنا پر مجنون یا بچے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ اسلام؛

۳۔ ایمان؛ بعض اس شرط کو ضروری نہیں سمجھتے اور راوی کے اسلام کو کافی جانتے ہیں۔

۴۔ عدالت؛ یہاں عدالت راوی سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہان کبیرہ نہ کرے اور گناہان صغیرہ کے انجام پر اصرار بھی نہ رکھتا ہو۔

۵۔ ضابط ہونا: ان معناں میں کہ راوی روایت کے ضبط و نقل میں غلطی نہ کرے، نہ کوئی چیز روایت سے کم کرے اور نہ کسی چیز کا اضافہ کرے۔[1]

الف) خبر واحد کی انواع

حدیث کی تمام انواع خبر واحد کے ذیل میں جگہ پاتی ہیں جو بعض کے مطابق ۴۵ اور بعض کے مطابق ۳۰ ہیں۔ اس کے باوجود اس قسم کی احادیث کے اصول چار انواع میں سماجاتے ہیں:

---

[1] قرائن اور ان کی بیشتر توضیح کے لیے دیکھیے: شیخ طوسی، العدۃ فی اصول الفقہ: ج۱، ص۱۴۳. نیز راوی کی شرائط کے لیے دیکھیے: الرعایۃ: ص۱۸۱؛ مقدمۃ ابن الصلاح: ص۸۴.

۱۔ حدیث صحیح؛

۲۔ حدیث حسن؛

۳۔ حدیث موثق؛

۴۔ حدیث ضعیف۔[1]

در حقیقت حدیث کی ان چار اقسام میں تقسیم بندی راویوں کی عدالت کے اعتبار سے اختلاف حالات، ایمان اور ضبط حدیث میں دقت کی وجہ سے عمل میں آئی ہے۔ خبر واحد کی تقسیم میں دوسرے معیارات بھی ہیں جنہیں ہم آگے چل کر حدیث مستفیض اور عزیز کے ذیل میں بیان کرینگے۔

اول: صحیح

جو تعریفات بیان ہوئی ہیں ان کی بناپر صحیح اس خبر کو کہتے ہیں جس کی سند معصوم تک متصل

---

[1] دیکھیے: نہایہ الدرایۃ: ص ۱۰۴ تا ۱۰۶. اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ صحیح اور احادیث کی دوسری اقسام کے اطلاق میں علامہ حلی کے دور اور ان کے بعد کے زمانے میں اصطلاحی فرق پایا جاتا ہے. علامہ کی نظر میں وہ خبر صحیح تھی جس کے راوی ثقہ ہوں یا جو اطمینان آور قرائن کی حامل ہو، بنا بریں، حدیث ضعیف اس کے مقابل قرار پاتی تھی. لیکن ان کے بعد خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بدل گیا یہاں تک کہ شہید ثانی کی کوشش سے یہ اصطلاحات ان کی دو کتب الرعایۃ اور غنیۃ القاصدین میں آج کے دور میں رائج مفہوم میں تدوین و تنظیم ہوئیں.

ہو اور اس کے تمام راوی امامی، عادل اور موثق ہوں۔[1]

نمونہ:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ أُذَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَسْمَعُ الْحَدِيثَ مِنْكَ فَأَزِيدُ وَ أَنْقُصُ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ مَعَانِيَهُ فَلَا بَأْسَ.

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا: کیا جو حدیث ہم آپ سے سنتے ہیں اس میں کمی یا زیادتی کر سکتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: اگر اس کے معنی کو ذہن میں رکھو (بالمعنی نقل کرو) تو کوئی حرج نہیں۔[2]

یہ روایت صحیح ہے کیونکہ اس کے تمام راوی اثنا عشری امامی اور ثقہ ہیں۔ [دیکھیے تتمہ: نمبر ۴]

دوم: حسن

حدیث حسن وہ حدیث ہے جس کا سلسلہ سند امام تک پہنچتا ہو اور اس کے راوی ایسے امامی ہوں جن کی مدح تو وارد ہوئی ہو لیکن ان کی عدالت کے بارے میں تصریح وارد نہ ہوئی ہو نیز ان کے بارے میں ثقہ، ثبت، حجت، عین اور انہی کے مانند دوسرے کلمات استعمال نہ ہوئے

---

[1] معالم الاصول: ص ۲۱۶؛ الرعایۃ: ص ۷۷.

[2] روایت اور اس کی رجال شناسی کے لیے دیکھیے: علامہ مجلسی، مرآۃ العقول: ج ۱، ص ۱۷۴.

ہوں۔[1]

نمونہ:

روایات حسن میں سے ایک حدیث جس کے بارے میں علمائے حدیث نے گفتگو کی ہے وہ روایت ہے جس کے سلسلہ سند میں ابراہیم بن ہاشم نامی شخص موجود ہے کہ اس کے بارے میں ایسی مدح وارد نہیں ہوئی جو اس کی تعدیل یا تصریح بر عدالت پر دال ہو۔[2]

شایان ذکر ہے کہ حدیث صحیح پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں اس صورت میں کہ کوئی مانع متعارض وجود نہ رکھتا ہو۔ ہر چند کہ بعض افراد اس پر [۴] ر اکے مخالف رہے ہیں اور ان کی لیل حدیث حسن کی شرائط کے بارے میں ان کے مبانیات ، ا طرف پلٹتی ہے۔ [دیکھیے: تتمہ

[۵

سوم: موثق

حدیث موثق وہ حدیث ہے کہ جس کے سلسلہ سند میں غیر امامی لیکن ثقہ راوی موجود ہوں اور طریق حدیث میں کسی اور جہت سے ضعف نا پایا جاتا ہو۔[3]

---

[1] دیکھیے: معالم الاصول: ص ۲۱۷؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۲۵۹.

[2] دیکھیے: تنقیح المقال: ج ۱، ص ۳۷؛ معجم رجال الحدیث: ج ۱، ص ۳۱۸.

[3] معالم الاصول: ص ۲۱۷؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۲۶۴.

نمونہ:

جن احادیث میں سکونی نامی شخص واقع ہوا ہو وہ موثق ہیں؛ کیونکہ وہ عامی (غیر امامی) لیکن ثقہ شمار کیا گیا ہے۔ اس کی روایت باب تیمم میں معروف ہے اور اکثر فقہاء نے اس سے استناد کیا ہے۔

روایات موثقہ پر عمل کے بارے میں علمائے شیعہ کے درمیان قابل ذکر اختلاف دیکھنے کو ملتا ہے۔ اگر طائرانہ نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طوسی کے زمانے سے اس قسم کی روایات پر عمل کرنا درست مانا گیا ہے۔ ان کے بعد سے شہید ثانی کے دور تک ان پر عمل کرنا درست مانا جاتا رہا۔ شہید ثانی اس پر عمل کرنا درست نہیں سمجھتے تھے لیکن شہید ثانی اور محقق اردبیلی کے زمانے کے بعد سے علمائے شیعہ کا شیوہ اس قسم کی روایات پر عمل کرنے کا رہا ہے۔[1]

---

[1] معجم رجال الحدیث: ج ۳، ص ۱۰۷. روایت کے لیے دیکھیے: وسائل الشیعۃ: ج ۲، ص ۹۶۳. نیز حدیث موثق پر عمل کرنے کے حوالے سے دیکھیے: العدۃ فی اصول الفقہ: ج ۱، ص ۱۴۳ تا ۳۸۳؛ جعفر بن حسن حلی، المعتبر: ج ۱، ص ۸۷، ۹۲، ۱۹۰، ۲۱۰؛ حسن بن یوسف حلی، مختلف الشیعۃ: ج ۱، ص ۱۱۳؛ الرعایۃ: ص ۹۱؛ احمد اردبیلی، مجمع الفائدۃ و البرہان: ج ۴، ص ۹۲؛ شیخ بہائی، مشرق الشمسین: ص ۲۷۰.

چہارم: ضعیف

طبیعی طور پر جو خبر مذکور تین خبروں یعنی صحیح، حسن اور موثق کی خصوصیات سے عاری ہو، وہ ضعیف شمار ہوگی۔[1]

کسی خبر کے ضعف کے یہ عوامل ہو سکتے ہیں:

۱۔ راوی حدیثیں گھڑنے والا ہو؛

۲۔ راوی ضبط حدیث میں خطا و غلطی سے دوچار رہتا ہو؛

۳۔ محدثین راوی کے فسق کی تصریح کریں؛

۴۔ راوی اپنے وہم و گمان کی بنا پر روایت کرتا ہو؛

۵۔ راوی مجہول اور ان جانا ہو۔[2]

ان کے علاوہ دوسرے عوامل بھی پائے جاتے ہیں جن کے اصطلاحی مفاہیم ہم اگلی فصل میں بیان کریں گے؛ جیسے اشتراک، اضمار، ارسال اور حدیث کا اس کے کہنے والے کی جانب سے قطع ہونا۔

جو چیز حدیث ضعیف کے بارے میں ذکر کرنا شائستہ ہے وہ یہ ہے کہ اس پر کس طرح عمل کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں علمائے حدیث میں اختلاف ہے، بعض ضعیف حدیث پر عمل کرنا

[1] معالم الاصول: ص۲۱۶؛ الرعایۃ: ص۸۶.

[2] کاظم مدیر شانہ چی، درایۃ الحدیث: ص۴۷.

نادرست سمجھتے ہیں لیکن بعض کا اعتقاد ہے کہ اگر کوئی ضعیف روایت، شہرت روائی یا شہرت عملی کی حامل ہو تو اس پر عمل کرنا صحیح ہے؛ کیونکہ یہی شہرت روایت کے ضعف کی بھرپائی کر دیتی ہے۔[1] [دیکھیے: تتمہ ۲]

ب) خبر واحد کی ایک اور تقسیم

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ خبر واحد اپنے راویوں کی اساس پر چار اقسام میں منقسم ہوتی ہے۔ اب ہم خبر واحد کی ایک اور تقسیم کے بارے میں کلام کریں گے جو راویوں کی تعداد کی اساس پر طے پاتی ہے۔ اس تقسیم میں ہم دو اقسام حدیث کے بارے میں بات کریں گے:

۱۔ مستفیض؛

۲۔ عزیز۔

اول: مستفیض

وہ روایت جو حد تواتر تک نہ پہنچے مستفیض کہلاتی ہے۔ علمائے حدیث اس کی تعریف میں کہتے ہیں: ہر وہ خبر جس کے راویوں کی تعداد ہر طبقے میں دو سے زیادہ ہو لیکن حد تواتر تک نہ پہنچے اسے مستفیض کہتے ہیں۔[2]

[1] معجم رجال الحدیث: ج۱۷، ص۱۵۵؛ مصطفی خمینی، تحریرات فی الاصول: ج۳، ص۲۲۷.

[2] نہایۃ الدرایۃ: ص۱۵۸؛ الرعایۃ: ۶۹.

نمونہ:

سید محمد موسوی عاملی راقم ہیں: ((و الأخبار الواردة به مستفيضة جدا بل الظاهر انها بلغة حد التواتر)) طہر در طلاق کے معاملے میں اخبار حد استفاضہ تک بلکہ حد تواتر تک پہنچے ہوئے ہیں۔[1] اور طلاق کے وقت گواہوں کے بارے میں بھی ان کی تعبیر اسی طرح کی ہے: ((اما السنة فمستفيضة جدا)) اور احادیث بھی اس بارے میں حد استفاضہ تک ہیں۔[2]

شیخ حر عاملیؒ طہر کی شرط پر مشتمل روایات کو وسائل الشیعہ کے باب ۷ اور ۸ ، جو ابواب مقدمات طلاق میں سے ہیں میں نقل کرتے ہیں جو کہ تقریباً ۱۷ روایات ہیں؛ البتہ[3] تمام ابواب میں اس شرط کی تصریح ہوئی ہے۔ نیز گواہوں کے واجب ہونے سے متعلق روایات کو باب نمبر ۲۰، ۲۱ اور ۲۲، ابواب مقدمات میں نقل کرتے ہیں۔[4]

دوم: عزیز

وہ خبر جس کے ہر طبقے میں دو راوی ہوں عزیز کہلاتی ہے۔ دوسری تعریف میں راوی کی

[1] نہایۃ المرام: ج ۲، ص ۲۲.
[2] نہایۃ المرام: ج ۲، ص ۳۶.
[3] وسائل الشیعۃ: ج ۱۵، ص ۲۷۳ تا ۲۷۹.
[4] وسائل الشیعۃ: ج ۱۵، ص ۲۰۱ تا ۲۰۳.

تعداد کو لے کر کہ یہ دو ہوں یا تین فرق پایا جاتا ہے۔ ایسے ہی بعض کا ماننا ہے کہ خبر عزیز وہ خبر ہے جس کے پہلے طبقے میں ایک راوی ہو اور وہ باقی طبقات میں کم از کم دو راویوں کے توسط سے نقل ہوئی ہو۔[1]

اس روایت کے نام رکھنے کی علت یا تو اس کے راویوں کی تعداد کا کم ہونا ہے ((عز: کم ہونے کے معنی میں ہے)) یا پھر یہ ان کے موثق (قابل اعتماد) ہونے کی بنا پر ہے۔ (('عز' استوار ہونے کے معنی میں ہے))

سوم: علمائے حدیث کی عرفی زبان میں صحیح کا اطلاق

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علمائے حدیث کی تحریرات میں ایسی عبارات سے مڈ بھیڑ ہوتی ہے جن میں بعض روایات و احادیث کو صحیح کہا گیا ہے، جبکہ ان میں اصطلاحی معنوں میں حدیث صحیح کی خصوصیات موجود نہیں ہوتیں۔

مسلم ہے کہ اس قسم کی احادیث خبر واحد کے سامنے کوئی مستقل حدیث نہیں ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک انہی چار اقسام حدیث کے ذیل میں قرار پاتی ہیں۔ ان احادیث کو صحیح جاننا صحیح حدیث کی طرح ان کی صحت اور درستی کا حکم لگانا ہے؛ نمونے کے طور پر فقہاء کی تعبیرات میں بہت زیادہ دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ موثقہ روایت پر صحیحہ کا اطلاق کرتے ہیں اور بعض نے تو بطور

[1] نہایۃ الدرایہ: ص ۱۶۵؛ الوعایہ: ص ۷۰.

واضح مشخص کیا ہے کہ موثق صحیح کے مانند ہے ((کالصحیح))۔[1] کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث حسن کو صحیح کہا جاتا ہے۔[2] اس کے علاوہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک حدیث جو صحیح حدیث کے حکم میں ہوتی ہے کو((مصححہ)) کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[3]

اس قسم کی احادیث کی صحت کی وجہ وہ قرائن ہیں جن کی جانب علماء نے اشارہ کیا ہے؛ مثال کے طور پر ہو سکتا ہے کہ سلسلہ اسناد میں ایسے اشخاص موجود ہوں جو علمائے رجال کی نگاہ میں موثق ہوں، ہر چند کہ یہ حدیث حدیث صحیح یا حسن یا ان کے مانند کی خصوصیات کی حامل نہ ہو۔ علمائے حدیث متقدمین کی دیدگاہ کے مطابق یہ قرائن چند حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں جنھیں ہم ذیل میں بطور اختصار پیش کر رہے ہیں:

۱۔ کسی روایت کا اصحاب آئمہ ؑ کی اصول اربعہ مأۃ میں موجود ہونا۔

علمائے قدیم اس قرینے کے بارے میں ذکر کرتے ہیں کہ اگر ایک حدیث کسی ایک اصل میں دو طریق سے یا دو اصل میں دو طریق سے نقل ہوئی ہو تو وہ صحیح اور قابل استناد ہے۔

[1] دیکھیے: مختلف الشیعة: ج۳، ص۱۶۳؛ مجمع الفوائد و البرہان: ج۳، ص۳۸۸.

[2] دیکھیے: فاضل مقداد، التنقیح الرائع: ج۲، ص۲۴۵.

[3] محسن الحکیم، مستمسک عروۃ الوثقی: ج۹، ص۱۹؛ یوسف بحرانی، حدائق الناضرة: ج۱۲، ص ۲۴.

۲۔ روایت کا ان کتب میں موجود ہونا جو آئمہ ؑ کے سامنے پیش کی گئیں اور انہوں نے ان کی تائید کی۔

اس بارے میں عبداللہ حلبی کی کتاب جو امام صادق ؑ کے سامنے پیش کی گئی اور یونس بن عبدالرحمن اور فضل بن شاذان کی کتب جو امام حسن عسکری ؑ کے سامنے پیش کی گئیں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

۳۔ روایت کا مشہور کتب میں سے کسی ایک میں ہونا جس کے مؤلف امامی ہوں اور علماء نے اس پر اعتماد کیا ہو؛ جیسے حریز بن عبداللہ سجستانی کی کتاب الصلاۃ۔ اس کے باوجود بھی کہ اگر مؤلف غیر امامی لیکن موثق ہو

تو اس کی احادیث سے استناد صحیح ہے، جیسے علی بن حسن طاہری کی کتاب القبلہ۔

۴۔ کسی روایت کا اصحاب اجماع کے توسط سے نقل ہونا جن کی فقاہت اور وثاقت پر شیخ کشی نے تاکید کی ہے۔[1]

لیکن دورہ متاخر اور کتب اربعہ کی تالیف کے بعد، کسی روایت کا ان کتب میں سے کسی ایک میں ہونا اس کی صحت کے قرائن میں سے شمار کیا گیا ہے۔ بالخصوص اخباری تو اس سے بھی ایک

[1] شیخ بہائی، مشرق الشمسین: ص۲۹؛ اصول الحدیث: ص۴۴؛ درایة الحدیث: ص۳۵؛ وسائل الشیعة: ج۲۰، ص۸۰.

قدم آگے بڑھ کر بہت سی کتب جو کتب اربعہ سے اخذ شدہ ہیں کو بھی صحیح اور معتبر شمار کرتے ہیں۔[1] [دیکھیے: تتمہ ۷]

چہارم: علمائے حدیث کی عرفی زبان میں ضعیف کا اطلاق

جس طرح بعض غیر صحیح احادیث اصطلاحی معنی میں حکم صحیح میں درج کی گئیں، حدیث ضعیف کے معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اس مقام پر ہم خاص طور پر اس حدیث کی جانب اشارہ کریں گے جس کے بارے میں علمائے حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔ وہ اس حدیث کو ((قوی)) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اگر ہم ضعیف روایت کو ایک ایسی روایت سمجھیں جس کے راوی کی مذمت ہوئی ہو تو اس صورت میں کوئی مشکل نہیں کہ روایت قوی کو ایک مستقل روایت سمجھا جائے اور اسے حدیث کی مذکورہ چار اقسام کے ساتھ رکھا جائے۔[2]

لیکن اگر روایتِ ضعیف کو جیسا کہ بیان ہوا ہے ایک ایسی روایت جانیں جو صحیح، حسن اور موثق کی شرائط نہ رکھتی ہو تو اس صورت میں مذکورہ روایت حدیث ضعیف کے تحت قرار

---

[1] دیکھیے: وسائل الشیعۃ: ج ۲۰، ص ۶۵؛ ھدایۃ الامۃ: ج ۸، ص ۵۸۸؛ مجمع الفوائد و البرہان: ج ۱۴، ص ۳۰۲.

[2] اصول الحدیث: ص ۹.

پائے گی۔ جیسا کہ علماء کی مشہور نظریہی ہے۔

اس کے باوجود بھی فقہاء کی بہت سی تحریرات میں ایسی روایت حدیث ضعیف کے مقابل اور معتبر قرار پائی ہے۔[1] یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ بعض علمائے حدیث نے حدیث قوی کو حدیث موثق حساب کیا ہے۔[2]

---

[1] نمونے کے طور پر کتاب مختلف الشیعۃ کو دیکھا جا سکتا ہے جس میں اس قسم کی بہت سی فقیہانہ تحریرات مل جائیں گی.

[2] الرعایۃ: ص ۸۴.

فصل چہارم: حدیث کی مشترکہ اقسام

- مشہور
- متّفق
- مُتَفَرْد
- مُفرَد
- غریب
- غریب الالفاظ
- مُسند و متصل
- مرفوع
- مُعَنْعَنْ
- معلّق
- مُدْرَج
- مُصَحْفْ
- مُکاتَب
- مُسَلسَل
- ناسخ و منسوخ
- محکم و متشابہ
- مُؤوْل
- شاذ (نادر)
- نص و ظاہر
- مزید
- مشکل
- عالی السند
- مُدَبّج
- روایہ الأکابر عن الأصاغر
- مشترک
- مُتّفق و مُفتَرِق
- مُؤتَلِف و مُختلف
- متشابہ الاسناد
- مقبولہ

فصل چہارم: حدیث کی مشترکہ اقسام

مقدمہ

جیسا کہ گزر چکا ہے حدیث اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر، مختلف اقسام میں منقسم ہوتی ہے۔ گزشتہ فصل میں ہم نے خبر واحد کی تقسیم کو اس کے راویوں کی خصوصیات کے اعتبار سے مورد تحقیق قرار دیا تھا۔ اس فصل میں ہم خبر واحد کی ایک اور تقسیم کی جانب قدم بڑھائیں گے کہ اس کے مطابق یہ دو حصوں؛ عناوین مشترک اور عناوین مختص میں تقسیم ہو گی۔

مشترکہ اقسام، خبر واحد کی چار اقسام (صحیح، حسن، موثق اور ضعیف) کی کسی ایک قسم سے مربوط نہیں بلکہ یہ ان میں سے ہر ایک کے تحت مصداق اور نمونہ قرار پا سکتی ہے؛ جیسے حدیث مسند، متصل اور مرفوع وغیرہ۔

مختص اقسام فقط حدیث ضعیف سے مربوط ہیں اور خبر واحد کی دوسری انواع میں اس کے مصادیق نہیں ملتے؛ جیسے حدیث مقطوع، مدلس و مہمل وغیرہ۔

اس فصل میں ہم مشترکہ اقسام کی تحقیق کرینگے اور اس کے بعد والی فصل میں مختص اقسام کو بیان کرینگے۔ مشترکہ اقسام کو تیس سے کچھ زیادہ اقسام میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مشہور

مشہور روایت وہ روایت ہے جو علماء، راویوں اور مؤلفین کے درمیان مشہور ہو چاہے اس کی سند میں ہر طبقے کے اندر ایک شخص ہو یا اس کے لیے سند ذکر ہی نہ ہوئی ہو۔ بنابریں، ممکن ہے کہ روایتِ مشہور اس طرح سے ہو:

الف) وہ روایت جو چند اصلوں میں نقل ہوئی ہو یا اسے مختلف راویوں نے چند طریق سے نقل کیا ہو۔

ب) روایت اس کے باوجود کہ فقط ایک سلسلہ سند رکھتی ہو، مختلف کتب میں نقل ہوئی ہو۔ ایسی شہرت کو شہرت روائی کہتے ہیں۔

ج) ایسی روایت جو صحیح سند نہ رکھتی ہو لیکن فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو۔

د) وہ روایت جو محدثین و فقہاء کے درمیان شہرت کی حامل ہو۔[1]

نمونہ:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔

[1] دیکھیے: الرعاية: ص۱۰۵؛ نهاية الدراية: ص۱۵۸.

((المؤمن لا يلسع من حجر مرّتين)) مومن ایک سراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔[1]

۲۔ متّفق

وہ روایت جسے آئمہ حدیث میں سے چند بزرگان نے نقل کیا ہو، روایت متفق کہلاتی ہے۔ اہلسنت کے درمیان بخاری و مسلم کی روایات اور شیعوں کے درمیان وہ روایات جنہیں کتب اربعہ کے مؤلفین نے نقل کیا ہے اس قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔[2]

نمونہ:

امام باقر و صادقؑ سے چوپایوں کی زکات کے بارے میں نقل ہوا کہ آپ نے فرمایا ((لَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ شَيْءٌ)) وہ اونٹ یا گائیں بیل جنہیں کاشتکاری میں استعمال کیا جاتا ہے ان پر زکات نہیں ہے۔[3]

اس بات کا ذکر بھی لازم ہے کہ یہ روایت جو ((صحيحۂ فضلا)) کے نام سے معروف ہے، فقہی کتب میں سے تین مجامع یعنی الکافی، تہذیب الاحکام اور من لا یحضرہ الفقیہ میں نقل ہوئی ہے۔

[1] بترتیب دیکھیے: بحار الانوار: ج۸۲، ص۳۰۳؛ وسائل الشيعة: ج۱، ص۳۵؛ بحار الانوار: ج۲۰، ص۷۹.

[2] دیکھیے: مقدمة ابن الصلاح: ص۳۰؛ اصول الحديث: ص۷۷.

[3] دیکھیے: وسائل الشيعة: ج۶، ص۸۰و۸۶.

۳۔ مُتَفَرِّدْ

متفرد وہ روایت ہے جسے محدثین میں سے کسی ایک نے نقل کیا ہو۔ مثلاً وہ روایات جو فقط بخاری یا مسلم نے نقل کی ہوں مفردات بخاری یا مسلم کے نام سے معروف ہیں۔[۱]

نمونہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اِدْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ)) شبہات کے ہوتے ہوئے [عدم قطع کی حالت میں] حدود کو اجراء نہ کرو۔ اس حدیث کو فقط شیخ صدوق نے نقل کیا ہے۔[۲]

۴۔ مُفْرَد

حدیث مفرد وہ حدیث ہے جس کا راوی ایک ہی ہو اور اس کے علاوہ کسی اور راوی نے وہ حدیث نقل نہ کی ہو۔ اس قسم کی احادیث پر ((غریب الاسناد)) کے نام کا اطلاق بھی ہوتا ہے جن کے تمام طبقات میں ایک سے زیادہ راوی موجود نہیں ہوتا۔ ایک تقسیم بندی کے تحت حدیث مفرد، مطلق اور نسبی میں منقسم ہوتی ہے۔ شہید ثانی کہتے ہیں:

روایت مفرد کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ اس کا راوی باقی تمام راویوں سے منفرد ہو اور یہ انفراد مطلق ہو؛ یا کسی خاص مورد میں منفرد ہو مثلاً یہ کہ کسی حدیث کو فقط کسی ایک شہر کے رہنے والوں یا ایک شخص نے نے نقل کیا ہو۔[۳]

---

[۱] درایۃ الحدیث: ص۵۲؛ الحدائق الناضرہ: ج۱، ص۱۳؛ شوکانی، نیل الاوطار: ج۷، ص۲.

[۲] من لا یحضرہ الفقیہ: ج۴، ص۴۷.

[۳] الرعایۃ: ص۱۰۳؛ نیز دیکھیے: اصول الحدیث: ص۱۷.

نمونہ:

انفراد مطلق: ابو بکر سے نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُوَرِّثُ مَا تَرَكْنَاهُ فَهُوَ صَدَقَةٌ)) ہم انبیاء کا گروہ ہیں، جو وراثت میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے ہم جو کچھ بھی بطور ترکہ چھوڑ دیں وہ صدقہ ہے۔[۱]

انفراد نسبی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ يَدِهِ وَلِسَانِهِ)) مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ و زبان سے دوسرے مسلمان امان میں ہوں۔[۲]

اس حدیث میں تمام راوی کوفی ہیں۔

۵۔ غریب

جب بھی کسی حدیث کی سند و متن دونوں میں غرابت پائی جائے؛ ان معنی میں کہ اس کا سلسلۂ سند ایک واسطے سے اور اس کا متن بھی ایک شخص کے وسیلے سے نقل ہوا ہو تو اس حدیث پر ((غریب المتن و الاسناد)) کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ اگر اس کی سند ایک حلقہ اور ہر طبقے میں ایک راوی رکھتی ہو لیکن اس کا متن مشہور و معروف ہو تو اسے ((غریب الاسناد)) کہتے ہیں۔

حدیث غریب کی تیسری قسم بھی ہے جو عبارت ہے: غریب مشہور سے؛ اس قسم کی حدیث میں ابتدائے سند میں ایک راوی ہوتا ہے لیکن اواخر سند میں یہ راویوں اور محدثین کے

---

[۱] بحارالانوار: ج۲۹، ص۲۲۶.

[۲] ابن حجر، فتح الباری: ج۱، ص۴۷.

درمیان مشہور ہوتی ہے۔[1]

٦۔ غریب الالفاظ

وہ حدیث جس میں مشکل الفاظ و کلمات موجود ہوں جنہیں شرح و توضیح کی ضرورت پڑے، اسے غریب الالفاظ کہتے ہیں۔[2] ((غریب الحدیث)) کے عنوان کے تحت لکھی گئی کتب ان احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی بیان کرتی ہیں۔

نمونہ:

معاویہ بن عمار کی روایت موثقہ میں آیا ہے: ((مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع عَنِ الرَّجُلِ مِنْ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَقِّ يَأْتِينِي بِالْبُخْتُجِ وَ يَقُولُ قَدْ طُبِخَ عَلَى الثُّلُثِ وَ أَنَا أَعْرِفُهُ أَنَّهُ يَشْرَبُهُ عَلَى النِّصْفِ فَقَالَ خَمْرٌ لَا تَشْرَبْه)) میں نے امام صادقؑ سے سوال کیا: ایک اہل ایمان مرد کھجور کا شیرہ لاتا ہے اور کہتا ہے: اس میں سے دو تہائی کم ہو گیا ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ خود وہ اسے آدھا پیتا ہے۔ امام نے فرمایا: نہ پینا یہ شراب ہے۔[3]

کلمہ ((بُخْتُج)) معرب ہے ((پختہ)) (یعنی پکے ہوئے) کا جو ایک مشکل لفظ ہے جسے کتب غریب الحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] الرعایۃ: ص١٠٧؛ ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح: ج١، ص١٠٥.

[2] مقدمۃ ابن الصلاح: ص١٦٣.

[3] تہذیب الاحکام: ج٩، ص١٢٢؛ الکافی: ج٦، ص٤٢١؛ وسائل الشیعۃ: ج١٧، ص٢٣٦.

[4] شیخ طوسی، النہایۃ: ج١، ص١٠١.

٧۔ مُسنَد و متصل

حدیث مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ سند کامل ہو اور معصوم تک پہنچتا ہو۔ ایسی حدیث پر متصل یا موصول جیسی اصطلاحات کا اطلاق بھی ہوتا ہے[1] اس کے باوجود بھی علمائے حدیث نے حدیث مسند و متصل کے درمیان جو فرق بیان فرمایا ہے اس کی جانب توجہ کرنا بھی ضروری ہے۔

شہید ثانی راقم ہیں: **((ہو اتصل اسنادُه الی المعصوم او غیره و کان کل واحد من رواته قد سمعَه ممن فوقه او ما ہو فی معنی السماع کالاجازة و المناولة))** حدیث متصل وہ حدیث ہے جس کا سلسلہ سند معصوم یا غیر معصوم تک پہنچتا ہو اور اس کے ہر ایک راوی نے اپنے سے اوپر والے راوی سے حدیث سنی ہو یا اس عمل کے ذریعے حاصل کی ہو جو سماع کے مشابہ ہے جیسے اجازہ یا مناولہ۔[2]

اس تعریف کی بنا پر حدیث مسند اور متصل کے درمیان یہ فرق ہے کہ حدیث متصل کا سلسلہ سند معصوم یا غیر معصوم پر ختم ہوتا ہے لیکن حدیث مسند کا سلسلہ سند فقط معصوم پر ختم ہوتا ہے۔

نمونہ:

((عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عِيسَى بْنِ عُبَيْدٍ عَنْ يُونُسَ عَنْ حَرِيزٍ عَنْ زُرَارَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع عَنِ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ فَقَالَ حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ أَبَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ

---

[1] الرعایۃ: ص٩٦؛ الوجیزۃ (فارسی ترجمہ): ص٢٥.

[2] الرعایۃ: ص٩٧.

حَرَامُهُ حَرَامٌ أَبَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يَكُونُ غَيْرُهُ وَلَا يَجِيءُ غَيْرُهُ)) زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے حلال و حرام کے بارے میں پوچھا؛ آپ نے فرمایا: حلال محمد ﷺ تا قیامت حلال ہے اور حرام محمد ﷺ تا قیامت حرام ہے، نہ اس کے علاوہ کچھ ہوا اور نہ ہو گا۔[1]

((مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ يَحْيَى عَنْ جَدِّهِ الْحَسَنِ بْنِ رَاشِدٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ قَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ع تَزَوَّجُوا فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ص قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَّبِعَ سُنَّتِي فَإِنَّ مِنْ سُنَّتِي التَّزْوِيجَ.)) محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے روایت کی کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا: شادی کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جو کوئی بھی میری سنت پر عمل کرنا پسند کرتا ہے تو (جان لے کہ) شادی کرنا میری سنت ہے۔[2]

جیسا کہ دیکھا جا سکتا ہے ان دونوں احادیث کا سلسلہ سند کامل ہے، ان کا کوئی راوی ساقط نہیں اور یہ معصومؑ پر ختم ہوتی ہیں۔

۸۔ مرفوع

حدیث مرفوع کے لیے دو تعریفیں ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ وہ حدیث جس کی نسبت معصومؑ سے دی گئی ہو چاہے اس کی سند متصل ہو؛ یعنی اس کے تمام راویوں کا ذکر کیا گیا ہو، چاہے اس کی سند منقطع ہو؛ یعنی اس کے بعض راویوں کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

---

[1] الکافی: ج۱، ص۵۸۔

[2] الکافی (دار الحدیث): ج۱۰، ص۵۸۳؛ وسائل الشیعۃ: ج۱۴، ص۶۔

اس رو سے حدیث مرفوع میں قول، فعل یا تقریر کو معصومؑ سے نسبت دی جاتی ہے اس میں راوی کی تعبیرات مختلف ہوتی ہیں: جیسے: ((انہ قال کذا))؛ ((انہ فعل کذا))؛ ((انہ فعل فلان بحضرتہ کذا و لم ینکرہ علیہ))۔[1]

اس کے مرفوع نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث معصوم سے نسبت کی وجہ سے رفعت و شان بالا حاصل کر لیتی ہے۔

۲۔ وہ حدیث جس کے درمیان یا آخر سند سے چند راوی حذف ہوں یا جس میں ان جیسی تعبیرات: ((یرفعہ))؛ ((ینمیہ)) اور ((یبلغ بہ الی)) کے ذریعے سے اس کے رفع پر تصریح کی گئی ہو۔

پہلی تعریف کی بنا پر حدیث متصل، مرفوع اور مسند کے درمیان پائی جانے والی نسبت کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: متصل اور مرفوع کے درمیان پائے جانے والی نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے۔ ان کا نقطہ اجتماع وہ حدیث متصل ہے جو امام معصومؑ کی جانب مسند ہے اور متصل کا نقطہ افتراق، اس حدیث میں ہے جس کے راویوں کا سلسلہ ذکر کیا گیا ہو لیکن اسے امام معصومؑ سے نسبت نہ دی گئی ہو۔ نقطہ افتراق مرفوع بھی یہی ہے کہ وہ معصوم کی جانب منتسب روایت ہے لیکن اس کا سلسلہ سند منقطع ہے۔

بنا بریں، حدیث متصل و مرفوع میں سے ہر ایک بشکل اعم مطلق از مسند ہے؛ ان معنی میں کہ حدیث مسند، متصل و مرفوع بھی ہو گی لیکن حدیث متصل و مرفوع ممکن ہے مسند ہو، [لیکن لازم نہیں]۔[1]

---

[1] الرعایۃ: ص۹۶۔

نمونہ:

((عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ رَفَعَهُ إِلَى أَبِي عَبْدِ اللهِ ع قَالَ: طَلَبَةُ الْعِلْمِ ثَلَاثَةٌ...))

یہ روایت مرفوع بھی ہے اور منقطع بھی، لیکن احتمال پایا جاتا ہے کہ یہ علی بن ابراہیم کی نسبت متصل ہو۔[1]

۹۔ مُعَنْعَنْ

وہ روایت جس کے سلسلہ سند میں لفظ ((عن)) تکرار ہوا ہو، معنعن کہلاتی ہے۔ اس قسم کی روایت میں راوی اس کی بجائے کہ کہے: ((سمعتُ عن...)) فقط ((عن فلان)) کی ترکیب سے استفادہ کرتا ہے۔[2]

نمونہ:

((عليُّ بن محمّد، عن سهل بن زياد، عن جعفر بن محمّد الأشعريّ، عن عبدالله بن ميمون القدّاح، عن أبي عبدالله عليه السلام، عن آبائه عليهم السلام، قال:...))

۱۰۔ معلق

حدیث معلق وہ حدیث ہے جس کی ابتدائے سند سے ایک یا اس سے زیادہ راوی حذف

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص ۱۸۴.

[2] نہایۃ الدرایۃ: ۱۸۴؛ روایت کے لیے دیکھیے: مستدرک الوسائل: ج۱۷، ص ۳۰۳؛ مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۱۱، ص۱۳۷.

[3] الوجیزۃ: ص ۲۵؛ الرعایۃ: ص ۹۹.

ہوں، لیکن اگر یہ حذف سلسلہ سند کے درمیان یا آخر میں انجام پائے تو پھر یہ معلق کی اصطلاح کے تحت جا نہیں پائے گی اور اس قسم کی حدیث کو منقطع یا مرسل کہیں گے۔[1]

حدیث معلق کی حجیت کے بارے میں معاملہ کچھ یوں ہے کہ اگر حذف شدہ راوی پہچان لیا جائے اور محدث اپنی کتاب کے آخر میں مشیخہ کے اندر راوی کے نام کی تصریح کر دے، تو اس صورت میں حدیث معلق حجیت رکھتی ہے اور یہ صحیح مانی جائے گی۔[2]

نمونہ:

شیخ طوسی راقم ہیں: ((الحسين بن سعيد عن ابن أبي عمير عن عبدالله ابن سنان عن أبي عبدالله عليه السلام قال...))

یہ حدیث معلق ہے؛ کیونکہ شیخ طوسی نے اسے حسین بن سعید کی کتاب سے نقل کیا ہے اور اپنے اور ان کے درمیان موجود واسطے کا ذکر نہیں کیا۔[3]

یہاں اس نکتے کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ تہذیب الاحکام و استبصار جو شیخ طوسی کی تالیفات ہیں اور من لا یحضرہ الفقیہ جو شیخ صدوق کی تالیف ہے کی اکثر روایات معلق ہیں۔ البتہ ان دونوں بزرگوں نے کتاب کے آخر میں دیے گئے مشیخہ میں اس قسم کی روایات کے

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۱۵؛ الرعایۃ: ص۱۰۱؛ نہایۃ الدرایۃ: ۱۸۷.

[2] الرعایۃ: ص۱۰۲؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۱۸۸.

[3] روایت اور اس کی سند کی تحقیق کے لیے دیکھیے: تہذیب الاحکام: ج۱۰، ص۶۳؛ وسائل الشیعۃ: ج۲۰، ص۱۹.

لیے اپنے طریق کو بیان اور ابتدائے سند سے حذف شدہ راویوں کے ناموں کی جانب اشارہ کیا ہے۔ [دیکھیے: تتمہ ۸]

۱۱۔ مُدْرَج

حدیث مدرج اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا راوی اپنے یا بعض دوسرے راویوں کے کلام کو حدیث کے متن میں داخل کر دے جو معصومؑ کے کلام کے ساتھ خلط ہونے کا باعث بنے۔ بدیہی ہے کہ اس طرح کے اضافاجات کبھی کبھار توضیح یا استشہاد کی غرض سے ہوتے ہیں۔[1]

نمونہ:

((الحسین بن سعید عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَبِي عُمَيْرٍ وَ عَلِيِّ بْنِ حَدِيدٍ جَمِيعاً عَنْ جَمِيلٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع يَكُونُ لِي عَلَى الرَّجُلِ الدَّرَاهِمُ فَيُعْطِينِي بِهَا خَمْراً فَقَالَ خُذْهَا ثُمَّ أَفْسِدْهَا قَالَ عَلِيٌّ وَ اجْعَلْهَا خَلًّا.)) جمیل بن دراج کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا: ایک شخص میرا چند درہم کا قرضدار ہے وہ اس کے بدلے میں شراب دے رہا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ امام نے فرمایا: اسے لے کر فاسد کر دو۔ علی نے کہا: اسے سرکہ بنا لے۔[2]

لفظ علی پر بحث ہے، لیکن ظاہراً مراد علی بن حدید ہے، نہ کہ امیر المومنینؑ علی بن ابی طالب۔ امام خمینیؒ نے امکان ظاہر کیا ہے کہ اس سے مراد امام علیؑ بھی ہو سکتے ہیں۔ امکان ہے

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۲۰؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۲۹۴؛ مقدمۃ ابن الصلاح: ص۷۴.

[2] وسائل الشیعۃ: ج۱۷، ص۲۹۷.

کہ جملہ ((وَ اجْعَلْهَا خَلًّا)) روایت کا تتمہ ہو لیکن اسے علی بن حدید نے نقل کیا ہو۔[1]

۱۲۔ مُصَحَّف

حدیث مصحف وہ حدیث ہے کہ جس کے سلسلہ سند میں راوی کا نام شبیہ ہونے کی وجہ سے کسی اور راوی سے بدل جائے یا اس کے متن میں کسی کلمے میں ایسا ہی ہو جائے۔

سند میں تصحیف کا نمونہ یہ ہے کہ برید بن معاویہ عجلی کا نام یزید بن معاویہ عجلی سے بدل جائے یا حریز کو جریر کر دیا جائے اور مراجم کو مزاحم لکھ دیا جائے۔[2]

متن میں تصحیف کے نمونے کے طور پر اس روایت کو پیش کیا جا سکتا ہے: ((زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع قَالَ: إِنَّ نُوحاً لَمَّا هَبَطَ مِنَ السَّفِينَةِ غَرَسَ غَرْساً فَكَانَ فِيمَا غَرَسَ النَّخْلَةَ...)) امام باقرؑ نے فرمایا: جب جناب نوحؑ کشتی سے اترے تو انہوں نے درخت لگائے اور ان درختوں میں سے ایک کھجور کا درخت تھا...[3]

یہ روایت اپنے ذیلی ضمیمے کے ساتھ عصیر خرما کی حرمت اور نجاست پر فقہی دلائل میں سے ایک ہے کہ اس کے ذریعے سے استشہاد کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ غلطی وسائل الشیعہ کے نسخے کی وجہ سے ہوئی ہے جس میں لفظ ((نخلہ)) ذکر کیا گیا ہے یعنی کھجور کا درخت جبکہ اصلی اور متقدمین کے منابع میں یہ لفظ ((الحبلہ)) ہے اور لغت میں ((الحبلہ)) کے معنی انگور کی شاخ

---

[1] امام خمینی: مکاسب المحرمۃ: ج۱، ص۳۰.

[2] الرعایۃ: ص۱۰۹.

[3] وسائل الشیعۃ: ج۱۷، ص۲۲۶؛ الکافی: ج۶، ص۳۹۶.

کے ہیں: ((القضیب من الکرم))[1] اس طرح یہ عصیر انگور کی حرمت و نجاست پر دلیل ہو گی نہ کہ عصیر خرما کی۔

شایان ذکر ہے کہ تصحیف و تحریف میں فرق ہے، ہر چند کہ بعض نے انہیں ایک ہی معنی میں لیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کلی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ روایت محرف میں تحریف کنندہ شخص تحریف و تبدل کا قصد و نیت رکھتا ہے اور عمداً یہ کام انجام دیتا ہے، لیکن روایت مصحف میں قصد و نیت شامل نہیں ہوتی۔

۱۳۔ مُکاتَب

حدیث مکاتب کی اصطلاح کا اس حدیث پر اطلاق ہوتا ہے جسے امام نے کتبی صورت میں بیان فرمایا ہو۔ بعبارت دیگر، یہ امام کی توقیع اور ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ہوتی ہے۔

اس قسم کی احادیث ان کے سلسلہ سند کی درستی کے اثبات کے بعد مشافہہ کے حکم میں ہیں اور حجیت رکھتی ہیں۔[2]

نمونہ:

مشہور مکاتبات و خطوط میں سے ایک جس سے علمائے اصول فقہ باب استصحاب میں استدلال کرتے ہیں مکاتبہ علی بن محمد قاسانی ہے:

---

[1] ابن اثیر، النہایہ: ج۱، ص ۳۳۳؛ اسماعیل جوہری، صحاح اللغۃ: ج۴، ص ۱۶۶۵؛ امام خمینی: الطہارۃ: ج۳، ص ۲۰۰؛ الحدائق الناضرۃ: ج۵، ص ۱۳۱.

[2] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص ۲۸۳؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۱۷۰؛ مجمع الفائدۃ البرہان: ج۵، ص ۲۲۹، اصول الحدیث: ص ۹۲.

((قَالَ: کَتَبْتُ إِلَیْهِ وَ أَنَا بِالْمَدِینَةِ- أَسْأَلُهُ عَنِ الْیَوْمِ الَّذِي یُشَكُّ فِیهِ مِنْ رَمَضَانَ- هَلْ یُصَامُ أَمْ لَا فَکَتَبَ الْیَقِینُ لَا یَدْخُلُ فِیهِ الشَّكُّ صُمْ لِلرُّؤْیَةِ وَ أَفْطِرْ لِلرُّؤْیَةِ.)) علی بن محمد کاشانی کہتے ہیں: میں مدینے میں تھا میں نے امامؑ سے روزے کے وجوب اور اس دن کے بارے میں پوچھا جس کے بارے میں شک ہے کہ وہ رمضان ہے یا نہیں، میں نے ایک نامہ لکھا۔ امامؑ نے اس کا جواب لکھا: شک یقین میں داخل نہیں ہو سکتا، رؤیت ہلال کے ذریعے روزہ رکھو اور افطار کرو۔[1]

۱۴۔ مُسَلسَل

حدیث مسلسل وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں موجود راویوں نے اسے یکساں تعبیر کے ساتھ اور ایک خاص صورت میں نقل کیا ہو۔ ناگفتہ نہ رہے کہ کبھی کبھار یہ تسلسل سند میں اسماء، کنیات، انساب، القاب اور صناعات کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی یہ سند کے ایک حصے میں دیکھا جاتا ہے جسے تسلسل ناقص کہتے ہیں۔[2]

نمونہ:

تسلسل کامل: ((قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي مُوسَى بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَیْنِ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي الْحُسَیْنُ قَالَ حَدَّثَنِي أَخِي الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص خُلِقْتُ أَنَا وَ

---

[1] وسائل الشیعۃ: ج۷، ص ۱۸۴.

[2] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص ۲۵۹؛ مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱۶۵.

عَلِيٌّ مِنْ نُورٍ وَاحِدٍ.)) شیخ صدوق امام رضاؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اجداد کے توسط سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور علی کو ایک ہی نور سے خلق کیا گیا ہے۔[1]

تسلسل ناقص: ((عَنْ أَحْمَدَ بْنِ عِمْرَانَ الْبَغْدَادِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْحَسَنِ عَنِ الْحَسَنِ ع إِنَّ أَحْسَنَ الْحَسَنِ الْخُلُقُ الْحَسَنُ. امام حسنؑ نے فرمایا: بے شک بہترین حُسن اچھا اخلاق ہے۔[2]

اس روایت میں پہلے ابوالحسن سے مراد محمد بن عبدالرحیم تستری؛ دوسرے ابوالحسن سے مراد علی بن احمد بصری تمار، تیسرے سے علی بن محمد واقدی، پہلے حسن سے مراد حسن بن عرفہ عبدی، دوسرے سے حسن بن ابی الحسن بصری اور تیسرے حسن سے مراد امام حسنؑ ہیں۔

۱۵ و ۱٦۔ ناسخ و منسوخ

حدیث ناسخ وہ حدیث ہے جو اپنے سے پہلے والی حدیث کے شرعی حکم کو اٹھالیتی ہے۔ اور حدیث منسوخ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا حکم اس سے متاخر حدیث کے ذریعے نسخ ہو جائے۔ اس بات کا ذکر لازم ہے کہ ناسخ و منسوخ کی شناخت نص امامؑ اور اجماع سے میسر آتی ہے۔[1]

[1] الخصال: ص ۳۱.

[2] عباس قمی، سفینۃ البحار: ج ۲، ص ۱۱۹. اس بات کا ذکر کرنا بھی لازم ہے کہ مشہور حدیث سلسلۃ الذہب بھی تسلسل ناقص کی قسم سے ہے. دیکھیے: بحارالانوار: ج ۴۹، ص ۱۲۷.

نمونہ:

ناسخ و منسوخ پر مشتمل جملہ روایات میں سے ایک ذیل میں درج روایت ہے:

((قال رسول اللہ ﷺ: نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها و نهيتكم عن لحوم الاضاحى فوق ثلاث فامسكوا ما بدا لكم و نهيتكم عن النبيذ الا فى سقاء فاشربوا فى الاسقية كلها و لا تشربوا مسكرا))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمہیں قبور کی زیارت کرنے سے منع کیا تھا لیکن اب تم ان کی زیارت کو جاؤ۔ میں نے تمہیں قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ رکھنے سے منع کیا تھا لیکن اب تم اسے رکھ سکتے ہو۔ میں نے تمہیں انگور کے شیرے کے شربت کو سوائے سقاء کے منع کیا تھا لیکن اب تم اسے تمام برتنوں میں پی سکتے ہو البتہ مست کرنے والی نہ پینا۔[2]

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اس روایت میں منسوخ شدہ روایت کی جانب اشارہ ہے اور خود روایت کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

۱۷و ۱۸۔ محکم و متشابہ

حدیث محکم، اس حدیث مقبول کو کہتے ہیں جس کا کوئی معارض موجود نہ ہو؛ کیونکہ اس سے کوئی اور احتمال نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن حدیث متشابہ ایسی نہیں اور اس میں اس کے ظاہری

[1] مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۲۷۵؛ الرعایۃ: ص ۱۲۷؛ مقدمۃ ابن الصلاح: ص ۱٦۷.

[2] دیکھیے: شوکانی، نیل الاوطار: ج ۴، ص ۱۰۹؛ مرقاۃ المفاتیح: ج ۴، ص ۲۴۸. اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ شیخ کلینی نے الکافی میں ایک باب کو ان روایات سے مختص کیا ہے جو احادیث ناسخ و منسوخ پر دلالت کرتی ہیں. دیکھیے: الکافی: ج ۱، ص ٦۲.

معنی کے علاوہ دوسرے احتمالات بھی دیے جاسکتے ہیں۔[1]

اس کے علاوہ اس قسم کی روایات بھی متشابہ شمار کی جاتی ہیں: جن کے راویوں کے نام آپس میں مشارکت وتشابہ رکھتے ہو جیسے محمد بن عقیل اور محمد بن عُقَیل؛ یا نام اور والد کے نام ایک جیسے ہوں اور لقب کے ذریعے سے ایک دوسرے سے متمایز کیے جاتے ہوں، جیسے: احمد بن محمد اسدی اور احمد بن محمد قسری۔[2]

نمونہ:

حدیث محکم: امام صادقؑ فرماتے ہیں: ((كُلُّ مَاءٍ طَاهِرٌ إِلَّا مَا عَلِمْتَ أَنَّهُ قَذِرٌ.)) ہر پانی پاک ہے یہاں تک کہ تم یقین حاصل کرلو کہ وہ نجس ہے۔

حدیث متشابہ: ((اَلْمَاءُ يُطَهِّرُ وَلَا يُطَهَّرُ)) اس کی تشابہ کی وجہ اس کی دوسری عبارت ((وَلَا يُطَهَّرُ)) ہے جو معنی اور قرائت کی جہت سے صریح نہیں ہے۔ علامہ مجلسی نے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے مختلف احتمالات کا ذکر کیا ہے؛ نمونے کے طور پر: پانی تمام چیزوں کو پاک کرتا ہے لیکن باقی کوئی بھی چیز اسے پاک نہیں کرتی۔[3]

۱۹ ۔ مؤوّل

حدیث مؤول وہ حدیث ہے جس کے ظاہر کی تاویل کرنا ضروری ہے اور اس کے ظاہر پر

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۸۴؛ اصول الحدیث: ص۹۳.

[2] دیکھیے: معجم رجال الحدیث: ج۲، ص۳۱۷و۳۱۹؛ جامع الرواۃ: ج۲، ص۱۵۰.

[3] دیکھیے: مرآۃ العقول: ج۱۳، ص۴.

عمل کرنا مشکل ہے۔[1] نیچے بیان کیے گئے موارد میں تاویل کرنا ضروری ہے:

الف) اگر روایت کی سند صحیح ہو لیکن وہ دلیل قطعی عقلی کے مخالف ہو؛

ب) اگر کوئی روایت، روایت قطعی کے مخالف ہو اور ان کے درمیان اطلاق وتقید کی نسبت بھی ہو۔ یہ مورد تعارض اخبار سے مربوط ہے۔ درحقیقت ان دو روایات میں سے کسی ایک کو دوسرے کے ساتھ بیان کرنا بذات خود ایک قسم کی تاویل ہے۔[2]

ج) اگر کوئی روایت اہلسنت کے موافق ہو اور اس کے مقابل اہلسنت کی مخالف روایات بھی ہوں۔ اس صورت میں دوسری روایت کو اخذ کیا جائے گا اور پہلی روایت کی تاویل کی جائے گی: مثلاً تقیہ پر حمل کی جائے گی۔[3]

تمام موارد میں کی گئی تاویل کے لیے ضروری ہے کہ وہ کوئی وجہ جو خود روایات میں موجود ہو یا پھر کوئی قرینہ جو خارج میں موجود ہو کی حامل ہو۔

نمونہ:

ہمارے پاس ذبح شرعی کے بارے میں روایات موجود ہیں جو اس امر کی بیانگر ہیں کہ حیوان کے گلے کی چار بڑی رگوں کا کاٹنا لازم ہے۔ لیکن بعض روایات میں حلقوم کے کٹنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں امام صادقؑ سے پوچھا گیا:

---

[1] مقباس الہدایۃ: ص ج۱، ص۳۱۷؛ اصول الحدیث: ص۹۷.

[2] دیکھیے: مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۷۰، ۸۶،۱۳؛ محمد حسن نجفی: جواہر الکلام: ج۳۹، ص۳۷۰.

[3] دیکھیے: الإستبصار: ج۱، ص۸۳، ۲۷۹.

((... رَجُلٍ لَمْ يَكُنْ بِحَضْرَتِهِ سِكِّينٌ أَ يَذْبَحُ بِقَصَبَةٍ فَقَالَ اذْبَحْ بِالْحَجَرِ وَ بِالْعَظْمِ وَ بِالْقَصَبَةِ وَ الْعُودِ إِذَا لَمْ تُصِبِ الْحَدِيدَةَ إِذَا قَطَعَ الْحُلْقُومَ وَ خَرَجَ الدَّمُ فَلَا بَأْسَ بِهِ.)) ایک شخص کے پاس ذبح کرتے وقت لوہے کا چاقو نہیں تو کیا وہ حیوان کو بانس سے ذبح کر سکتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: جب لوہا نہ ہو تو پتھر، ہڈی، بانس اور لکڑی سے ذبح کیا جا سکتا ہے۔ جب حلقوم کٹ جائے اور خون نکل جائے تو کوئی اشکال نہیں۔[1]

شہید ثانی اس حدیث کے ذیل میں توضیح دیتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ضرورت کے وقت پر حمل کی جائے گی۔[2] اور اس بارے میں مشہور فتویٰ حیوان کی چار رگوں کے قطع ہونے کا ہی ہے۔ بنا بریں، یہاں روایت کا آخری حصہ مراد نہیں اور اس بارے میں صحیح روایات سے تعارض پایا جاتا ہے، بعض نے اس حدیث کو تقیہ پر بھی حمل کیا ہے۔

۲۰۔ شاذ (نادر)

معمولاً حدیث شاذ اور نادر ایک ہی معنی میں استعمال ہوتی ہیں۔ یہ ایک ایسی حدیث کی بیانگر ہیں جنہیں ثقہ راوی نقل کرے لیکن یہ حدیث مشہور (محفوظ) کے ساتھ متعارض و مخالف ہو۔ روایت شاذ میں اکثر کی مخالفت شرط ہے۔ بنا بریں، اگر کسی روایت کو کوئی ثقہ شخص نقل کرے اور وہ اکثر (روایات) کے مخالف نہ ہو تو اسے شاذ نہیں کہیں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی

[1] وسائل الشیعۃ: ج۱۶، ص۲۵۳.

[2] الروضۃ البھیہ: ج۷، ص۲۲۲.

روایت ثقہ کے مخالف ہو لیکن ثقہ نے اسے بیان نہ کیا ہو تو وہ بھی حدیث شاذ کے تحت قرار نہیں پائے گی۔[1]

یہ بات ذکر کرنے سے تعلق رکھتی ہے کہ بعض نے شاذ حدیث کی شناخت کا معیار یہ سمجھا ہے کہ بہت کم افراد نے اس کے مضمون پر عمل کیا ہو، ہر چند کہ اس کی سند صحیح ہو۔[2] بہر حال بعض علمائے حدیث نے یا تو اس قسم کی احادیث کو ایک طرف کر دیا ہے اور یا پھر ان کی تاویل کی ہے۔[3]

نمونہ:

ابی بصیر سے نقل ہوا ہے کہ وہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے ایسی شراب کے بارے میں پوچھا جسے کسی ایسی چیز کے ساتھ مخلوط کر دیا جائے جس سے وہ ترش ہو جائے۔ امامؑ نے فرمایا: شراب کو جس چیز کے ساتھ مخلوط کیا ہے اگر وہ شراب پر غالب رہے تو کوئی مسئلہ نہیں۔[4]

شیخ طوسی اس روایت کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ روایت شاذ اور متروک ہے؛

[1] الرعایۃ: ص۱۱۵؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۲۲۰؛ قاسمی، قواعد التحدیث: ص۱۳۱.

[2] دیکھیے: محمد تقی فقیہ: القواعد الفقھیہ: ص۳۸و۵۰.

[3] دیکھیے: مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۱۱، ص۸۳؛ وسائل الشیعۃ: ج۱۶، ص۲۹۳.

[4] وسائل الشیعۃ: ج۲، ص۱۰۹۸.

کیونکہ شراب نجس ہے اور جو کچھ بھی اس میں ملایا جائے وہ بھی نجس ہو جائے گا۔[1]

۲۱ و ۲۲۔ نصّ و ظاہر

اگر روایت کی اس کے مقصود پر دلالت صریح ہو اور وہ اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنی حمل نہ کرتی ہو تو ایسی روایت نص ہو گی۔ لیکن اگر اس میں دوسرے معنی کا احتمال پایا جائے تو اسے ظاہر کہا جائے گا۔[2]

نمونہ:

امام صادقؑ گم شدہ مال کے صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں: ((فَإِنْ جَاءَ لَهَا طَالِبٌ وَ إِلَّا فَهِيَ كَسَبِيلِ مَالِهِ.)) اگر کوئی اس گم شدہ مال کا سراغ پا گیا تو یہ اسے لوٹا دیا جائے گا ورنہ یہ مال اس کی ملک میں قرار پائے گا جسے ملا ہے۔[3]

اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ اگر گم شدہ مال کا صاحب نہ ملے تو یہ مال اس کی ملک میں قرار پائے گا جسے ملا ہے، جبکہ عبارت ((كَسَبِيلِ مَالِهِ)) ملکیت کے حصول پر بطور حقیقی تقاضا نہیں کرتی۔[4] لہذا یہ روایت اپنے مقصود میں نص نہیں بلکہ یہ اپنے مقصود میں ظاہر ہے اور اس میں

---

[1] ایضا: شایان ذکر ہے کہ شیخ حر عاملی اس روایت کو انقلاب پر حمل کرتے ہیں نہ امتزاج و استھلاک پر، اس بنا پر ان کی نظر کے مطابق مذکورہ حدیث قول مشہور کے موافق قرار پائے گی۔

[2] مقباس الهداية: ج۱، ص۳۱۶؛ علی مشکینی، اصطلاحات الاصول: ص۲۳۳.

[3] وسائل الشيعة: ج۱۷، ص۳۴۹.

[4] تحلیل روایت کے لیے دیکھیے: ابن ادریس حلی، السرائر: ج۲، ص۱۰۲؛ الروضة البهية: ج۷، ص ۱۲۶.

دوسرے احتمالات بھی موجود ہیں۔

۲۳۔ مزید

روایت مزید دو حصوں میں منقسم ہے: مزید در متن اور مزید در سند۔

اگر کوئی روایت دو اسناد سے نقل ہوئی ہو اور متن میں اتحاد کے باوجود ان میں سے کسی ایک میں کوئی کلمہ یا جملہ زیادہ ہو؛ یا کوئی روایت دو کتابوں میں نقل ہوئی ہو اور ایک کتاب میں اضافے کی حامل ہو، تو اس صورت میں ایسی روایت پر مزید در متن کا اطلاق ہو گا۔[1] کبھی روایت مزید در سند ہوتی ہے؛ ان معنی میں کہ ایک سند دو کتابوں میں نقل کی جاتی ہے لیکن ان میں سے ایک میں سلسلہ سند میں ایک راوی کا اضافہ ہوتا ہے۔[2]

نمونہ:

حدیث مزید در متن: ((عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي حَمْزَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مَعْمَرَ الزَّيَّاتِ يَسْأَلُ أَبَا عَبْدِ اللَّهِ ع فَقَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ إِنِّي رَجُلٌ أَبِيعُ الزَّيْتَ... فَإِنَّهُ يَطْرَحُ ظُرُوفَ السَّمْنِ وَ الزَّيْتِ لِكُلِّ ظَرْفٍ كَذَا وَ كَذَا رِطْلًا فَرُبَّمَا زَادَ وَ رُبَّمَا نَقَصَ قَالَ إِذَا كَانَ ذَلِكَ عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ فَلَا بَأْسَ.)) علی بن ابی حمزہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے سنا کہ معمر روغن فروش نے امام صادقؑ سے پوچھا: میری جان آپ پہ قربان! میں روغن (تیل) بیچتا ہوں... ایسا ہوتا ہے کہ روغن حیوانی ہو یا نباتی جن ظروف میں رکھا ہوتا ہے ان میں کم یا زیادہ ہو جاتا ہے۔[ان

---

[1] مقباس الهداية: ج۱، ص۲۶۴.

[2] مجمع الفائدة البرهان: ج۷، ص۲۲۳؛ الحدائق الناضرة: ج۱۲، ص۸۲.

کے بیچنے کا کیا حکم ہے؟] امام نے فرمایا: اگر خریدنے اور بیچنے والی کی مرضی سے ہو تو کوئی مسئلہ نہیں۔[1]

یہ روایت دوسری نقل کے مطابق اس طرح سے ہے:

((عَنْ حَنَانٍ قَالَ: كُنْتُ جَالِساً عِنْدَ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع فَقَالَ لَهُ مُعَمَّرٌ الزَّيَّاتُ إِنَّا نَشْتَرِي الزَّيْتَ فِي زِقَاقِهِ وَ يُحْسَبُ لَنَا فِيهِ نُقْصَانٌ لِمَكَانِ الزِّقَاقِ فَقَالَ إِنْ كَانَ يَزِيدُ وَ يَنْقُصُ فَلَا بَأْسَ وَ إِنْ كَانَ يَزِيدُ وَلَا يَنْقُصُ فَلَا تَقْرَبْهُ.)) حنان سے نقل ہوا کہ انہوں نے کہا: میں امام صادقؑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ معمر روغن فروش نے ان سے کہا: میں روغن کو مشکوں میں خریدتا ہوں کہ ان مشکوں کے وزن کی وجہ سے میرے لیے روغن کم محاسبہ ہوتا ہے [ان کی خرید و فروش کا کیا حکم ہے؟] امام نے فرمایا: اگر...[2]

حدیث مزید در سند: اس کا واضح نمونہ اس مقام پر ہے جہاں روایت دو طرح سے نقل ہوئی ہو: ایک نقل مرسل ہو اور دوسری مسند، اس صورت میں روایت مسند، مزید شمار ہو گی۔[3]

۲۴۔ مُشکل

مشکل اس روایت کو کہتے ہیں جس کے بعض یا تمام الفاظ ہی مشکل اور غریب ہوں، یا ان کا مقصود اجمال یا پیچیدگی کی وجہ سے سب کے لیے واضح نہ ہو۔[1]

---

[1] وسائل الشیعہ: ج۱۲، ص۲۷۲.

[2] وسائل الشیعہ: ج۱۲، ص۲۷۳.

[3] دیکھیے: العدۃ فی الاصول الفقہ: ج۱، ص۱۵۴.

نمونہ:

امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ص نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ وَ نِيَّةُ الْكَافِرِ شَرٌّ مِنْ عَمَلِهِ وَ كُلُّ عَامِلٍ يَعْمَلُ عَلَى نِيَّتِهِ.)) مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور کافر کی نیت اس کے کردار سے بدتر ہے اور ہر کوئی اپنی نیت کی اساس پر عمل کرتا ہے۔[2]

اس حدیث کے بارے میں بہت سی وجوہات ذکر کی گئی ہیں اس رو سے یہ احادیث مشکل میں شمار کی جاتی ہے۔

۲۵۔ عالی السَّنَد

عالی السند اس روایت کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ سند چھوٹا اور کم واسطوں کا حامل ہو۔ اس قسم کی روایات کو قرب الاسناد سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی احادیث میں غلطی کا امکان کم ہوتا ہے، جیسا کہ درج ذیل نمونے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ حدیث عالی السند، حدیث نازل السند کے مقابل قرار پاتی ہے۔[3]

نمونہ:

عبد اللہ بن بکیر اور عبد اللہ بن مسکان دونوں زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام باقرؑ نے

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۱۶.

[2] الکافی: ج۲، ص۸۴.

[3] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۴۳؛ الرعایۃ: ص۱۱۲.

فرمایا: ((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ۔)) اسلام میں نہ ضرر ہے اور نہ ضرار۔[1]

اس بارے میں کہ کس راوی کی روایت زیادہ اعتبار رکھتی ہے اختلاف ہے؛ کیا ابن بکیر کی زرارہ سے روایت کو ترجیح دی جائے یا ابن مسکان کی نقل کو؟

معلوم ہوتا ہے کہ ابن بکیر کی روایت کچھ دلائل کی بنا پر زیادہ رجحان رکھتی ہے؛ بالخصوص ان کی روایت قرب الاسناد رکھتی ہے کیونکہ کلینی جنہوں نے اس روایت کو الکافی میں نقل کیا ہے ان میں اور امام معصومؑ میں پانچ واسطے موجود ہیں لیکن ابن مسکان کی روایت میں چھ واسطے موجود ہیں اور یہ بات بدیہی ہے کہ نقل کے واسطے جس قدر کم ہونگے مخالفت نقل کا امکان اتنا ہی کم ہو جائے گا۔[2] [دیکھیے: تتمہ ۹]

۲۶۔ مُدَبَّج

مدبّج وہ حدیث ہے جسے دو معاصر راوی ایک دوسرے سے نقل کریں۔ یہ دو راوی یا تو سن میں قریب ہوتے ہیں یا ان کا استاد ایک ہوتا ہے یا طریق سند میں تقارن کے حامل ہوتے ہیں۔ اس قسم کی روایت کو، روایۃ الاقران بھی کہتے ہیں،[3] ہر چند کہ بعض افراد ان میں فرق کے قائل ہیں۔[4]

---

[1] وسائل الشیعۃ: ج۱۷، ص۳۴۱.

[2] علی سیستانی، قاعدۃ لا ضرر و لا ضرار: ص۱۰۱ و۱۰۲.

[3] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۰۰.

[4] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۰۱؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۳۳۱.

کلمہ مدبّج ((دبج)) کے ریشے سے اسم مفعول ہے جس کے معنی انسان کے چہرے پر گال کے ہیں اور جس طرح انسان کے دونوں گال ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے ہیں ایسے ہی ایک روایت مدبج میں دو راوی قرین و نزدیک ہوتے ہیں۔[1]

نمونہ:

حدیث مدبّج کے نمونے کے طور پر شیخ طوسی سے سید مرتضی علم الہدی کا روایت کرنا اور سید مرتضی سے شیخ طوسی کے روایت کرنے کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی علامہ مجلسی کا شیخ حر عاملی سے اور شیخ حر عاملی کا علامہ مجلسی سے روایت کرنا یا سید علی خان مدنی (۱۱۲۰ھ) کا علامہ مجلسی (۱۱۱۱ھ) سے اور علامہ کا ان سے روایت کرنا بھی اس کے نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

اہلسنت میں ابوہریرہ کا عائشہ سے اور عائشہ کا ابوہریرہ سے روایت کرنا حدیث مدبّج کے نمونے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔[2]

۲۷۔ روایة الأكابر عن الأصاغر (السابق عن اللاحق)

حدیث کی اس قسم میں جس راوی کا سن زیادہ ہوتا ہے وہ کم عمر والے سے روایت نقل کرتا ہے۔ اس کے باوجود کبھی یہ بزرگی قدیم طبقات میں موجود ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی مقام و منزلت کی بنا پر۔[1]

---

[1] دیکھیے: سخاوی، فتح المغیث: ج۳، ص۱۴۰؛ الرعایۃ: ص۳۵۱.

[2] ہروی قاری، شرح شرح نخبۃ الفکر: ص۶۳۵.

نمونہ:

اس قسم کی روایت کے نمونے کے لیے ان احادیث کی جانب رجوع کیا جاسکتا ہے جن میں صحابی نے تابعی سے یا باپ نے بیٹے سے روایت نقل کی ہو؛ جیسا کہ عباس بن عبد المطلب کی اپنے بیٹے فضل سے یہ روایت نقل کرنا: رسول اللہ ﷺ نے مزدلفہ میں دو نمازیں ملا کر پڑھیں۔[2]

۲۸۔ مشترک

حدیث مشترک اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند میں ایک راوی یا متعدد ایسے راوی ہوں جو چند نفرات میں مشترک ہوں۔[3] راوی مشترک کو پہچاننے اور رجالی جہت سے اس کی تضعیف و توثیق جاننے کے لیے کچھ معیار موجود ہیں۔ یہ راہیں عبارت ہیں: مروی عنہ (معصوم)، راوی، حکم اصحاب بصحت، متن روایت، لقب، کنیت، باپ کا نام، دادا کا نام، وسط و عالی، شہر اور قبیلہ، راوی کا دور، ولاء (یعنی غلام کا آزاد ہونا، ہم پیمان ہونا، یا غلام ہونا) اور دوسری اسناد کے ساتھ مقائسہ کرنا۔[4]

یہاں پر ہم چند راہوں کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے مشترک راویوں کی پہچان کی جا سکتی ہے۔

---

1 الوجیزۃ: ص۴۳؛ الرعایۃ: ص۳۵۲؛ مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۰۴۔

2 دیکھیے: حسین بن عبدالصمد عاملی، وصول الاخیار: ص۱۱۶۔

3 مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۸۸۔

4 دیکھیے: درایۃ الحدیث: ص۵۷؛ الرعایۃ: ص۳۷۰؛ مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۱۰، ص۴۵؛ مدارک الاحکام: ج۱، ص۵۸۔

اول: مشترک راوی کی شناخت مروی عنہ (یعنی معصوم) کے ذریعے سے

ہم یہاں نمونے کے ذکر کے ساتھ اس راہ شناخت راوی مشترک کو بیان کرتے ہیں۔

کتب رجالی میں دو افراد کو ابن سنان کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے: ایک عبد اللہ ابن سنان اور دوسرے محمد ابن سنان۔ قول مشہور یہ ہے کہ محمد بن سنان ثقہ نہیں ہیں۔ لیکن پہلے شخص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ انہیں پہچاننے کی راہ ان کا ان روایات کی سند میں قرار پانا ہے جو امام صادقؑ پر جا کر منتہی ہوتی ہیں؛ کیونکہ فقط عبد اللہ ابن سنان ہیں جو امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں نہ کہ محمد بن سنان۔[1]

دوم: راوی مشترک کو مروی عنہ کے ذریعے سے پہچاننا

کبھی ہم مشترکہ راوی کے لیے اس شخص کی کی جانب توجہ کرتے ہیں جس سے یہ روایت نقل ہوئی ہوتی ہے اور اس طرح ہم مشترک راوی کی شناخت حاصل کر لیتے ہیں؛ مثال کے طور پر بعض روایات میں احمد نام چند راویوں کے درمیان مشترک ہے اور اس وجہ سے کہ اس نے علی بن حکم جو کہ ثقہ اور کوفی ہیں سے روایت کو نقل کیا ہے، سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ احمد بن محمد بن عیسیٰ ہیں جو ثقہ ہیں۔[2]

---

1 دیکھیے: مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۲، ص۳۰؛ نہایۃ المرام: ج۱، ص۲۵۰؛ معجم رجال الحدیث: ج۲۲، ص۱۹۰۔

2 مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۲، ص۲۷۳؛ عنایۃ اللہ قہپائی، مجمع الرجال: ج۴، ص۱۹۲؛ شیخ طوسی، الفہرست: ص۲۲۰۔

سوم: راوی مشترک کو راوی کے ذریعے سے پہچاننا

علی بن حکم مشترکہ راویوں میں سے ہیں کہ ان میں سے دو افراد ثقہ جبکہ باقی غیر ثقہ ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن محمد بن عیسی کی نقل کے قرینے سے کہ یہ وہی علی بن حکم کوفی ہیں جو ثقہ ہیں۔[1]

اس کی دوسری مثال محمد بن قیس ہے جو چند راوی کے درمیان مشترک ہے اور اگر ان سے روایت کرنے والا عاصم بن حمید یا ابن مسکان ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں محمد بن قیس بجلی ہیں جو ثقہ بھی ہیں۔[2]

چہارم: مشترکہ راوی کی اصحاب کی صحت روایت کے حکم سے پہچان

باقی طریقے جو اردبیلی جیسے فقہاء نے مشترک راوی کی تشخیص کے لیے بیان کیے اور اس سے استفادہ کیا ہے، کسی سند کی روایت کی صحت کا حکم ہے کہ مشترک راوی اس سند میں واقع ہوا ہو۔ مرحوم اردبیلی اس روایت کے ذیل میں جسے علامہ حلی نے صحیحہ سے تعبیر کیا ہے، لکھتے ہیں: اس روایت کی صحت میں ابو بصیر جو کہ مشترکہ راوی ہیں کی وجہ سے تامل کی جا ہے۔ اس کے علاوہ علمائے رجال نے ان کے ابن ابی عمیر سے طریق کا ذکر نہیں کیا اور ان کی ابن ابی عمیر سے روایت بصورت مقطوع ذکر ہوئی ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ابن ابی عمیر سے ان کا

[1] مجمع الفائدة و البرہان: ج۱، ص۲۳۰؛ مجمع الرجال: ج۷، ص۳۳۶؛ نہایۃ المرام: ج۱، ص ۷۴.

[2] مجمع الفائدة و البرہان: ج۷، ص۳۰و۷۹؛ معجم رجال الحدیث: ج۱۷، ص۱۷۳.

طریق صحیح ہے اور علامہ کا اس روایت پر حکم صحت لگانے کی دلیل کی بنا پر یہاں ابو بصیر سے مراد وہی ثقہ راوی ہیں؛ کیونکہ ابو بصیر ان کے نزدیک معلوم اور جانے پہچانے ہیں۔[1]

پنجم: مشترک راوی کی متن کے ذریعے سے پہچان

اس راہ شناخت کی تحقیق کے لیے ایک مثال سے استفادہ کرتے ہیں۔ ابو بصیر وہ راوی ہیں جو ثقہ و غیر ثقہ کے درمیان مشترک ہیں۔ مرحوم اردبیلی اس روایت کے تحت راقم ہیں کہ امکان ہے کہ ابو بصیر سے مراد وہی ابو بصیر ثقہ ہوں جو نابینا تھے؛ کیونکہ روایت کے متن کے آغاز میں آیا ہے کہ ان کے رہنما نے انہیں ایک موضوع سے آگاہ کیا...[2]

۲۹۔ مُتَّفِق و مُفْتَرِق

حدیث متفق اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے بعض راوی کسی دوسری حدیث کے بعض راویوں کے ساتھ نام، والد کے نام اور دادا کے نام میں مشترک ہوں؛[3] جیسے احمد بن محمد بن عیسی اسدی اور احمد بن محمد بن عیسیٰ قسری۔ اس قسم کی حدیث کو اشخاص کے افتراق کی حیثیت سے مفترق بھی کہتے ہیں۔[4]

[1] مجمع الفائدة و البرہان: ج۲، ص۲۷۶؛ محمد بن علی اردبیلی، جامع الرواة: ج۲، ص۵۱۲؛ فہرست طوسی: ص۲۶۵.

[2] مجمع الفائدة و البرہان: ج۱۲، ص۳۸۲؛ معجم رجال الحدیث: ج۲۰، ص۷۴؛ جواہر الکلام: ج۱، ص۱۷۴.

[3] نہایۃ الدرایۃ: ص۳۲۳؛ الوجیزة: ص۴۳.

[4] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۸۶؛ الرعایۃ: ص۳۶۸.

نمونہ:

وہ روایات جو کلینی نے احمد بن محمد سے ایک واسطے سے نقل کی ہیں، نیز وہ روایات جو جو شیخ مفید نے بھی احمد بن محمد سے نقل کی ہیں۔ لیکن الکافی میں جس احمد بن محمد سے روایات نقل ہوئی ہیں وہ احمد بن محمد بن یحییٰ ہیں اور شیخ مفید کی روایات میں وارد شخص احمد بن محمد بن الحسن بن الولید ہیں۔[1]

۳۰۔ مؤتلف و مختلف

حدیث مؤتلف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں کے اسماء، کتابت کی جہت سے یکساں لیکن تلفظ میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ نقطے کی جگہ یا کلمے کی شکل ہوتی ہے۔ اس قسم کے اختلافات دراصل تصحیف ہی کی ایک قسم ہیں جو زیادہ تر روایت کی سند میں موجود راویوں کے اسماء میں دیکھنے کو ملتی ہیں اور متن میں زیادہ دکھائی نہیں دیتی؛ کیونکہ جملے میں صحیح کلمہ اس سے پہلے موجود جملوں اور احادیث سے سمجھ میں آجاتا ہے جبکہ راویوں کے ناموں میں تصحیف کو آسانی سے تشخیص نہیں دیا جاسکتا۔[2]

لیکن حدیث مختلف اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کا مضمون اپنے سے مشابہ حدیث سے مختلف ہو۔[3] بعبارت دیگر، اس قسم کی روایات میں ایک طرح کا تعارض دکھائی دیتا ہے۔ اس

---

[1] تہذیب الاحکام: ج۱، ص۲۱۶.

[2] درایۃ الحدیث: ص۷۷؛ مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۹۱؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۳۲۴.

[3] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۶۷.

قسم کی روایات سے برخورد کرنے کے بعد لازم ہے کہ ان کے درمیان جمع کی راہ نکالی جائے (جسے علاج الحدیث کہتے ہیں)۔ اگر یہ جمع کرنا کسی اور روایت کی اساس پر ہو تو اسے ((جمع مقبول)) اور اگر یہ کسی روایت کی اساس پر نہیں بلکہ توجیہات کی بنا پر ہو تو اسے ((جمع تبرّعی)) کہا جاتا ہے۔

نمونہ:

حدیث مؤتلف: بعض روایات کی اسناد میں اس نام کے دو راوی دکھائی دیتے ہیں: احمد بن میثم اور احمد بن میتم۔

علامہ سید حسن صدر اس روایت کے ذیل میں جس کی سند میں ان میں سے کسی ایک شخص کا نام موجود ہو، راویوں کو ایک دوسرے کے ساتھ کے قرینے سے تشخیص دیتے ہیں کہ ان مذکورہ دو ناموں میں سے مراد احمد بن میثم ہے (اور یہ حمید بن زیاد کے قرینے کی وجہ سے ہے)۔ اگر تشخیص کا امکان نہ ہو تو لازم ہے کہ روایت پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیا جائے۔[1]

مشترک راوی کی تشخیص کے سلسلے میں کی جانے والی بحث میں ہم نے اس قسم کے راویوں کے درمیان تمیز کرنے کے کچھ قرینوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حدیث مختلف: اس مسئلے کے بارے میں کہ مال کی زکات کیا ادا کے وقت سے پہلے دی جا سکتی ہے یا نہیں، دو قسم کی روایات ہیں: بعض سال تمام ہونے سے قبل زکات کی ادائیگی کو قبول نہیں کرتیں جبکہ بعض سال کے ختم ہونے کو شرط قرار نہیں دیتیں:

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص۳۲۴؛ الرعایۃ: ص۳۸۱؛ علامہ حلی، ایضاح الاشتباہ: ص۱۰۵.

((عَنْ زُرَارَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي جَعْفَرٍ ع أَيُزَكِّي الرَّجُلُ مَالَهُ إِذَا مَضَى ثُلُثُ السَّنَةِ قَالَ لَا أَ يُصَلِّي الْأُولَى قَبْلَ الزَّوَالِ.)) زرارہ کہتے ہیں: میں نے امام باقرؑ سے کہا: کیا کوئی شخص اپنے مال کی زکات ایک تہائی سال کے گزرنے کے بعد ادا کر سکتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: نہیں، کیا نماز ظہر کو قبل از ظہر پڑھا جا سکتا ہے؟[1]

اس کے مقابل حماد بن عثمان کی صحیحہ میں آیا ہے کہ امام صادقؑ نے اس بارے میں فرمایا: ((لَا بَأْسَ بِتَعْجِيلِ الزَّكَاةِ شَهْرَيْنِ وَتَأْخِيرِهَا شَهْرَيْنِ.)) زکات کو سال ختم ہونے سے دو ماہ قبل اور سال کے ختم ہونے کے دو ماہ بعد بھی ادا کرنے میں کوئی مشکل نہیں۔[2]

اس بات کا ذکر کرنا لازم ہے کہ شیخ طوسی نے اپنی کتاب ((الاستبصار فیما اختلف من الاخبار)) میں اس قسم کی متعارض روایات کی تحقیق فرمائی ہے، اور اشارہ کیا ہے کہ ان دو روایات میں جمع کیا جا سکتا ہے، اس صورت سے کہ زکات کو بعنوان قرض زمان وجوب سے پہلے ادا کر دیا جائے نہ زکات واجب کے عنوان سے۔ شیخ نے اس جمع پر شاہد کے طور پر ایک روایت بھی پیش کی ہے۔[3]

پیش کیا گیا نمونہ جمع مقبول کا تھا لیکن جمع تبرعی کا نمونہ ان روایات کے مانند ہے جن میں نجاسات کی خرید و فروش سے منع کیا گیا ہے۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں: ((ثَمَنُ الْعَذِرَةِ مِنَ السُّحْتِ.)) نجاسات سے حاصل شدہ رقم حرام ہے۔

---

[1] وسائل الشیعۃ: ج۶، ص۲۱۲.

[2] وسائل الشیعۃ: ج۶، ص۲۱۰.

[3] الاستبصار: ج۲، ص۳۱.

اس کے مقابل روایت میں اس طرح کے مال کو جائز شمار کیا گیا ہے: «لَا بَأْسَ بِبَيْعِ الْعَذِرَةِ». نجاست کو بیچنے میں کوئی مشکل نہیں۔ شیخ طوسی نے ان دونوں کی جمع تبرعی میں پہلی روایت میں ذکر کردہ نجاست کو انسان کی نجاست پر اور دوسری روایت میں ذکر شدہ نجاست کو حیوان حلال گوشت کے فضلے پر حمل کیا ہے۔[1] بعض فقہاء نے پہلی روایت کو کراہت پر محمول کیا ہے اور علامہ مجلسی نے اسے ان علاقوں سے مخصوص جانا ہے جہاں پر نجاست کو استعمال نہیں کیا جاتا،[2] یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے تقیہ پر حمل کیا گیا ہو۔[3]

۳۱۔ متشابہ الاسناد

حدیث متشابہ الاسناد وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں موجود بعض راوی کسی اور راوی کے ساتھ ہمنام اور مشترک ہوں جس کا درجہ وثاقت ایک دوسرے سے مختلف ہو۔ شیخ بہائی ذکر کرتے ہیں کہ راویوں میں تشابہ ان کے لکھنے کے انداز میں پیدا ہوتا ہے یا یہ کہ یہ تشابہ ان کے آباء کے نام میں ہوتا ہے۔[4]

نمونہ:

بعض روایات کے سلسلہ اسناد میں ہم دو متشابہ ناموں کے روبرو ہوتے ہیں جو لکھنے اور علائم کے درج کرنے کے حوالے سے متفاوت ہوتے ہیں: محمد بن عَقیل اور محمد بن عُقَیل۔

---

[1] الاستبصار: ج۳، ص۵۶.

[2] مرآۃ العقول: ج۱۹، ص۲۶۶؛ ملاذ الاخیار: ج۱۰، ص۳۷۹.

[3] کفایۃ الاحکام: ج۱، ص۸۴.

[4] الرعایۃ: ص۳۸۴؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۳۳۰.

پہلا راوی نیشاپوری اور دوسرا راوی فُریابی ہے۔ یہ دو راوی بھی ایسے ہی ہیں: شریح بن نعمان اور سریج بن نعمان؛ ان میں پہلا تابعی ہے جو امیر المومنینؑ سے حدیث نقل کرتا ہے اور دوسرا اہلسنت میں سے ہے۔

۳۲۔ مقبولہ

روایت مقبولہ اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں خدشے اور جھول کے باوجود اس کے مضمون پر عمل کیا گیا ہو۔[1] در حقیقت روایت مقبولہ ضعیف روایات کا جز شمار ہوتی ہے لیکن علماء نے اسے قرائن کی بنا پر قبول کیا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود بعض افراد نے اسے صحیح وغیر صحیح کے درمیان مشترک قرار دیا ہے۔[2]

نمونہ:

((عُمَرَ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع عَنْ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِنَا بَيْنَهُمَا مُنَازَعَةٌ فِي دَيْنٍ أَوْ مِيرَاثٍ فَتَحَاكَمَا إِلَى السُّلْطَانِ وَ إِلَى الْقُضَاةِ أَ يَحِلُّ ذَلِكَ قَالَ مَنْ تَحَاكَمَ إِلَيْهِمْ فِي حَقٍّ أَوْ بَاطِلٍ فَإِنَّمَا تَحَاكَمَ إِلَى الطَّاغُوتِ وَ مَا يَحْكُمُ لَهُ فَإِنَّمَا يَأْخُذُ سُحْتاً وَ إِنْ كَانَ حَقّاً ثَابِتاً لِأَنَّهُ أَخَذَهُ بِحُكْمِ الطَّاغُوتِ وَ قَدْ أَمَرَ اللهُ أَنْ يُكْفَرَ بِهِ))

عمر بن حنظلہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے اپنے دو شیعہ دوستوں کے بارے میں پوچھا جن میں قرض یا میراث کے بارے میں تنازع تھا وہ قضاوت کے لیے بادشاہ اور قاضیوں کے

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۷۹۔

[2] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۲۸۰؛ الرعایۃ: ص۱۳۰؛ اصول الحدیث: ص۸۹۔

پاس چلے جاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ فرمایا: جو کسی حق یا باطل امر میں قضاوت کے لیے ان کے پاس جائے تو اس نے طاغوت سے قضاوت کی درخواست کی ہے اور وہ جو بھی حکم کریں گے وہ حرام ہے چاہے اس کی قضاوت حق اور درست ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس نے طاغوت کا حکم مانا ہے اور خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کا انکار کیا جائے۔[1]

جو کچھ اس راویت کے سلسلہ سند کی تحقیق سے ہاتھ لگتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے طریق میں ضعف موجود ہے لیکن چونکہ اس پر عمل کرنا مشہور ہے اور علماء نے اس پر عمل کیا ہے، تو یہ اس کی سند کے ضعف کی بھرپائی کر دیتا ہے، اس حدیث پر عمل کرنے والے اس جملے ((وَمَا يَحْكُمُ لَهُ فَإِنَّمَا يَأْخُذُ سُحْتاً وَ إِنْ كَانَ حَقّاً ثَابِتاً)) سے استناد کرتے ہیں جو کہ باب قضاء کی دوسری احادیث میں دکھائی نہیں دیتا۔[2] [دیکھیے: تتمہ ۱۰]

[1] الکافی: ج۱، ص۶۷۔

[2] ابوالقاسم الخوئی، مصباح الاصول: ج۳، ص۳۰۹؛ مجمع الفائدة البرہان: ج۱۲، ص۱۰؛ محمد باقر الصدر، بحوث فی علم الاصول: ج۷، ص۳۷۰۔

فصل پنجم: حدیث ضعیف کی اقسام

- حدیث مرسل
- حدیث مُہمَل
- حدیث مجہول
- حدیث مقلوب
- حدیث مدلّس
- حدیث مُعضَل
- حدیث مطروح
- حدیث موقوف
- حدیث منقطع
- حدیث موضوع
- حدیث مردود
- حدیث معتبر
- حدیث محرّف
- حدیث معلّل
- حدیث مقطوع

فصل پنجم: حدیث ضعیف کی اقسام

مقدمہ

جیسا کہ بیان ہو چکا حدیث کی تین اقسام یعنی صحیح، حسن اور موثق کے ساتھ ایک اور قسم حدیث بھی موجود ہے جو حدیث ضعیف کے عنوان کے تحت قرار پاتی ہے۔ حدیث ضعیف اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس میں مذکورہ تین احادیث کی شروط نہ پائی جاتی ہوں۔ البتہ شرائط صحت سے دوری اور نزدیکی کے اعتبار سے اس کے درجات بھی مختلف ہیں اور یہ چند اقسام میں منقسم ہوتی ہے اور اس فصل میں ہم انہی اقسام کی تحقیق کرینگے۔ اس کے علاوہ ہم یہ کوشش بھی کرینگے کہ حدیث ضعیف کے ضعف کی وجہ بھی بیان کریں نیز اس کی حجیت کے بارے میں کلام کریں؛ چونکہ قرائن کے وجود کی بنا پر کچھ احادیث کا ضعف اَن دیکھا کر دیا جاتا ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس فصل میں ہم حدیث ضعیف کی تقسیم اور تحقیق کے ذریعے اس قسم سے مربوط مباحث کو پیش کرینگے۔

۱۔ مرسل

حدیث ضعیف کی ایک قسم مرسل ہے۔ اس حدیث کی تعریف میں مختلف عبارات نقل

اقسام جیسے مضطرب، مدلّس، منقطع، اور معضل کے ذیل میں ہم ان موارد کی جانب اشارہ کرینگے۔

ب) حجیت مرسل

حدیث مرسل کے بارے میں تامل انگیز ابحاث میں سے ایک اس کی حجیت کی بحث ہے۔ ہم بطور خلاصہ کہتے ہیں کہ اصولیوں اور محدثین کی نظر میں صحیح ترین قول یہی ہے کہ حدیث مرسل کسی بھی طور حجت نہیں؛ چاہے اسے صحابی نے ارسال کیا ہو یا غیر صحابی نے؛ ایک راوی ساقط ہوا ہو یا بیشتر؛ مرسل کسی برجستہ شخص کی ہو یا نہ ہو۔[1]

اس کے باوجود بعض مراسیل کے حوالے سے بعض علماء نے نرمی کا مظاہرہ کیا ہے اور ان کی حجیت کو قبول کیا ہے؛ جیسے ابن ابی عمیر، صفوان بن یحیٰ، احمد بن ابی نصر بزنطی (مشائخ ثلاثہ) اور اصحاب اجماع کی مرسلات کی قبولیت کے بارے میں یہی کہا گیا ہے۔[2]

ج) حدیث مضمر

وہ حدیث جس کے راوی نے امامؑ کے اسم کی تصریح نہ کی ہو، بلکہ ضمیر یا ((قلت لہ)) اور ((سالتہ)) جیسی تعبیرات کے قالب میں ان کی جانب اشارہ کیا ہو، ایسی حدیث کو مضمَر اور

---

[1] دیکھیے: الرعایۃ: ص ۱۳۷. (اس بحث کی تفصیل کے لیے دیکھیے: اصول الحدیث (آیت اللہ عبدالہادی فضلی) ترجمہ شدہ از قلم مترجم)

[2] محمد حسین الجلالی، درایۃ الحدیث: ص ۳۵۰؛ اصحاب اجماع کے لیے دیکھیے: مرآۃ العقول: ج ۱۴، ص ۲۹.

ایسے راوی کو مضمِر کہتے ہیں۔[1]

اضمار کی علت کو تدوین اصول حدیث کی روش میں ڈھونڈا جا سکتا ہے، اس صورت سے کہ محدث نے آغاز میں امام کے نام کی تصریح کی اور پھر ضمیر کے ساتھ ان کی جانب اشارہ کیا، لیکن بعد والے راویوں نے بعد کے ادوار میں مختلف کتب میں ان روایات کو مضمَر کی صورت میں ہی نقل کر دیا۔[2]

د) حدیث مضمر کی حجیت

اصل اول، حدیث مضمر کا ضعیف ہونا ہے البتہ بعض علماء نے قرائن پر تکیہ کرتے ہوئے اضمار کو ضعف حدیث پر دلیل شمار نہیں کیا؛ مثلاً اگر ضمیر کے بعد دعائی جملہ استعمال ہو ((علیہ السلام)) جیسے ((سالتہ علیہ السلام))، یا اگر راوی برجستہ، ثقہ اور معروف راویوں میں سے ہو تو اس صورت میں اضمار، ضعف حدیث پر دلالت نہیں کرے گا۔[3]

نمونہ:

((... عَنِ الْعِيصِ بْنِ الْقَاسِمِ قَالَ: سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ أَصَابَتْهُ قَطْرَةٌ مِنْ طَشْتٍ فِيهِ وَضُوءٌ فَقَالَ إِنْ كَانَ مِنْ بَوْلٍ وَ قَذَرٍ فَلْيَغْسِلْ مَا أَصَابَهُ.)) عیص بن قاسم سے روایت نقل ہوئی کہ انہوں نے کہا: میں نے امامؑ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جس کے پاس طشت میں

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص ۲۰۶؛ مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۳۳۲.

[2] نہایۃ المرام: ج ۱، ص ۲۱۱؛ الحدائق الناضرۃ: ج ۱، ص ۴۷۹.

[3] عبدالہادی فضلی، اصول الحدیث: ص ۱۰۰؛ مصطفیٰ نورانی، قواعد علم الحدیث: ص ۱۶.

طہارت کا باقی ماندہ ایک قطرہ ہے جو اس پر گر گیا۔ امام نے فرمایا: اگر پانی پیشاب یا نجاست سے تھا تو لازم ہے کہ جہاں گرا ہے اس جگہ کو دھوئے۔[1]

عبارت ((سَأَلْتُهُ عَنْ رَجُلٍ)) حدیث میں اضمار کی بیانگر ہے۔ اس کے باوجود بعض افراد عیس بن قاسم کی جانب سے اضمار کو حدیث کے ضعف کا باعث نہیں سمجھتے؛ کیونکہ ان کی جلالت و عظمت اس چیز کے مانع ہے کہ وہ مقام حدیث میں کسی غیر معصوم سے کوئی کلام نقل کریں۔

ہ) حدیث مضطرب

حدیث مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس میں ایک قسم کا اختلاف پایا جاتا ہو۔ یہ اختلاف کبھی سلسلہ سند میں ہوتا ہے اور کبھی متن میں۔ سند میں اختلاف یہ ہے کہ راوی کبھی اپنے والد سے نقل کرتا ہے اور کبھی اپنے جد سے اور دوسری بار وہ اسی حدیث کو ان دو کے علاوہ کسی اور سے بیان کرتا ہے۔[2]

متن میں اضطراب بھی روشن ہے جیسا کہ اس کے نمونے کے طور پر درج ذیل حدیث دیکھی جاسکتی ہے:

[1] وسائل الشیعۃ: ج۱، ص۱۵۶؛ اس روایت کی تحلیل کے لیے دیکھیے: ابوالقاسم خوئی، فقہ الشیعۃ: ج۵، ص۹۰۔

[2] الرعایۃ: ص۱۴۷؛ مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۸۶؛ قاسمی، قواعد التحدیث: ص۱۳۲۔

نمونہ:

((فَإِنْ خَرَجَ الدَّمُ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ فَهُوَ مِنَ الْحَيْضِ وَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ فَهُوَ مِنَ الْقَرْحَةِ)) اگر خون سیدھی طرف سے نکلے تو وہ حیض ہے اور اگر وہ بائیں طرف سے نکلے تو وہ زخم ہے۔[1]

لیکن ایک اور منبع میں یہ حدیث یوں آئی ہے:

((فَإِنْ خَرَجَ الدَّمُ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْمَنِ فَهُوَ مِنَ الْقَرْحَةِ وَإِنْ خَرَجَ مِنَ الْجَانِبِ الْأَيْسَرِ فَهُوَ مِنَ الْحَيْضِ)) اگر خون بائیں طرف سے نکلے تو وہ حیض ہے اور اگر داہنی جانب سے نکلے تو وہ زخم ہے۔[2]

حدیث میں اضطراب کی جانب توجہ اس وجہ سے اہمیت کی حامل ہے کیونکہ فتاوی میں اختلافات اسی وجہ سے ہوتے ہیں جیسا کہ مذکورہ نمونوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔[3]

۲۔ حدیث مُہْمَل

حدیث مہمل وہ حدیث ہے جس کے بعض راویوں کے نام کتب رجال میں نہ آئے ہوں یا ان کی روش، عقیدہ اور اہداف بیان نہ ہوئے ہوں۔[4]

[1] الکافی: ج۳، ص۹۴۔

[2] تہذیب الاحکام: ج۱، ص۳۸۵۔

[3] اس روایت کی تحلیل اور اس کے بارے میں مختلف آراء جاننے کے لیے دیکھیے: الرعایۃ: ص۱۴۷؛ جواہر الکلام: ج۳، ص۱۴۴؛ الحدائق الناضرہ: ج۳، ص۱۵۷؛ مدارک الاحکام: ج۱، ص۳۱۸۔

[4] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۹۷۔

نمونہ:

((رَوَى مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ السِّنْدِيِّ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ جَمِيلِ بْنِ دَرَّاجٍ عَنْ بَعْضِ أَصْحَابِنَا عَنْ أَحَدِهِمَا ع فِي رَجُلٍ تَزَوَّجَ أُخْتَيْنِ فِي عَقْدٍ وَاحِدٍ قَالَ هُوَ بِالْخِيَارِ أَنْ يُمْسِكَ أَيَّتَهُمَا شَاءَ وَ يُخَلِّيَ سَبِيلَ الْأُخْرَى.)) امام باقر یا امام صادقؑ سے سوال ہوا: اگر کوئی شخص دو بہنوں کو ایک ہی عقد میں اپنے نکاح میں لے لے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟ امامؑ نے فرمایا: اسے اختیار حاصل ہے کہ ان میں سے جسے چاہے رکھے اور دوسری کو چھوڑ دے۔[1]

علامہ عاملی کے بقول شیخ طوسی کا اس روایت کی طرف طریق ضعیف ہے، کیونکہ اس کے درمیان علی بن سندی موجود ہے اور وہ مجہول ہے۔ ایسے ہی علامہ حلی نے بھی کہا ہے: علی بن سندی کا حال میرے نزدیک روشن نہیں۔[2]

۳۔ حدیث مجہول

جو تعریف حدیث مہمل کے لیے بیان ہوئی وہی حدیث مجہول پر بھی صادق ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس حدیث کی دو جہات: اصطلاحی اور لغوی سے تحقیق کی جا سکتی ہے، جیسا کہ میر داماد نے ایسا ہی کیا ہے۔[3]

---

[1] تہذیب الاحکام: ج۷، ص۲۸۵.

[2] نہایۃ المرام: ج۱، ص۱۸۲.

[3] الرواشح السماویۃ: ص۶۰.

الف) مجہول الاصطلاحی

اس سے منظور یہ ہے کہ علمائے رجال نے بعض رجال کے بارے میں بے اطلاعی کا اظہار کیا ہو جیسے اسماعیل بن قتیبہ اور فتح بن یزید جرجانی، جنہیں کتب رجال میں مجہول جانا گیا ہے۔

نمونہ:

کلینی ایک روایت اس سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

((عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُخْتَارِ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ الْعَلَوِيِّ جَمِيعاً عَنِ الْفَتْحِ بْنِ يَزِيدَ الْجُرْجَانِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ ع فِي رَجُلٍ دَخَلَ عَلَى دَارِ آخَرَ لِلتَّلَصُّصِ أَوِ الْفُجُورِ فَقَتَلَهُ صَاحِبُ الدَّارِ أَ يُقْتَلُ بِهِ أَمْ لَا فَقَالَ اعْلَمْ أَنَّ مَنْ دَخَلَ دَارَ غَيْرِهِ فَقَدْ أَهْدَرَ دَمَهُ وَ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ شَيْءٌ.)) امام نقیؑ سے ایک مرد کے بارے میں پوچھا گیا جو چوری یا زنا کی غرض سے کسی دوسرے کے گھر میں داخل ہوا اور صاحب خانہ نے اسے قتل کر دیا۔ آیا صاحب خانہ پر قصاص ہوگا؟ امامؑ نے فرمایا: جو کوئی بھی کسی اور کے گھر میں گھسے، اس کا خون حلال ہے اور صاحب خانہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔[1]

یہ روایت ضعیف ہے اور فقہاء فقہ کے مختلف ابواب میں فتح بن یزید کی روایات کو ان کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف شمار کرتے ہیں۔[2] علامہ حلی نے ان کے بارے میں کہا ہے:

((والرجل مجھول و الاسناد الیہ مدخول))۔[3]

---

[1] الکافی: ج۷، ص۲۹۴.

[2] مرآۃ العقول: ج۲۴، ص۵۲؛ جواہر الکلام: ج۵، ص۳۲۹.

[3] خلاصۃ الاقوال: ص۲۴۷؛ الرجال طوسی: ص۳۶۹؛ جامع الرواۃ: ج۲، ص۱.

ب) مجہول لغوی

اس قسم مجہول سے منظور یہ ہے کہ راوی کا نام کتب رجال میں ذکر نہیں ہوا اور اس کا حال اس کے شاگردوں سے بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ مرحوم میر داماد کے مطابق اس قسم کے راویوں کے بارے میں حکم ضعف جاری نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کی مجہولیت کی تصریح ضعف کا باعث ہے۔[1] البتہ کافی فقہاء دونوں حالتوں (یعنی مجہول اصطلاحی اور لغوی) کو باعث ضعف سمجھتے ہیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں رکھتے۔[2]

نمونہ:

نمونے کے طور پر کلینی کی روایت ملاحظہ ہو:

((عَلِيُّ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ بُنْدَارَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ إِسْحَاقَ عَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَارِثِ عَنِ الدَّلْهَاثِ مَوْلَى الرِّضَا ع قَالَ سَمِعْتُ الرِّضَا ع يَقُولُ لَا يَكُونُ الْمُؤْمِنُ مُؤْمِناً حَتَّى يَكُونَ فِيهِ ثَلَاثُ خِصَالٍ سُنَّةٌ مِنْ رَبِّهِ وَ سُنَّةٌ مِنْ نَبِيِّهِ وَ سُنَّةٌ مِنْ وَلِيِّهِ فَأَمَّا السُّنَّةُ مِنْ رَبِّهِ فَكِتْمَانُ سِرِّهِ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَ جَلَّ - عالِمُ الْغَيْبِ فَلا يُظْهِرُ عَلى غَيْبِهِ أَحَداً إِلَّا مَنِ ارْتَضى مِنْ رَسُولٍ[3] وَ أَمَّا السُّنَّةُ مِنْ نَبِيِّهِ فَمُدَارَاةُ النَّاسِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَ جَلَّ أَمَرَ نَبِيَّهُ ص بِمُدَارَاةِ النَّاسِ فَقَالَ خُذِ الْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ[4] وَ أَمَّا السُّنَّةُ مِنْ وَلِيِّهِ فَالصَّبْرُ فِي الْبَأْسَاءِ وَ الضَّرَّاءِ.)) دلہاث امام رضاؑ کا آزاد کردہ غلام کہتا ہے:

---

[1] الرواشح السماویۃ: ص ۶۰؛ نیز دیکھیے: حسین بروجردی، نہایۃ التقریر: ج ۱، ص ۲۷۱.

[2] مدارک الاحکام: ج ۱، ص ۳۴، ۴۹، ۶۳؛ الروضۃ البہیہ: ج ۷، ص ۳۴۰.

[3] الجن: ۲۵- ۲۶.

[4] الأعراف: ۱۹۹.

میں نے امام سے سنا: مومن (اس وقت تک) مومن نہیں جب تک تین خصوصیات کا حامل نہ ہو: خدائی صفت اور وہ راز داری ہے۔۔۔، نبوی صفت اور وہ لوگوں کے ساتھ محبت و رافت سے پیش آنا ہے۔۔۔، اور ولی خدا کی صفت اور وہ مشکلات اور آلام میں صبر کرنا ہے۔[1]

اس سلسلہ سند میں دلہاث نامی شخص ہے جس کا کتب رجال (رجال کشی، فہرست نجاشی، رجال طوسی، فہرست طوسی، رجال علامہ حلی وغیرہ) میں نام ذکر نہیں ہوا۔ اس کے باوجود آیت اللہ خوئی نے معجم رجال الحدیث میں اس کا نام ذکر کیا ہے۔[2]

۴۔ حدیث مقلوب

حدیث مقلوب میں ہم ایک قسم کے تغییر کے روبرو ہوتے ہیں۔ یہ تغییر یا سند میں ہوتا ہے یا متن روایت میں۔

الف) سند میں قلب

سند میں قلب یوں ہے کہ روایت طریق خاص سے نقل ہوئی ہو لیکن راوی یا محدث اسے دوسری صورت سے نقل کرے یا اس کے بعض راویوں کو بدل دے تاکہ روایت کی سند بہتر ہو جائے اور اس کی نسبت زیادہ رغبت ہو جائے۔[3]

---

[1] الکافی: ج ۲، ص ۲۴۱.

[2] معجم رجال الحدیث: ج ۷، ص ۱۴۹؛ محمد مہدی نجف، الجامع الرواۃ و اصحاب الامام الرضاؑ: ج ۱، ص ۱۹۷.

[3] الرعایۃ: ص ۱۵۰؛ مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۳۹۱؛ علوم الحدیث و مصطلحہ: ص ۱۹۱.

نمونہ:

نمونے کے لیے شیخ طوسی کی الاستبصار میں موجود یہ روایت دیکھیے:

((أَخْبَرَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ يَحْيَى عَنْ أَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ حَمَّادٍ عَنِ الْحَلَبِيِّ قَالَ...))[1]

آیت اللہ خوئی نے اس سند کی تحقیق کرنے کے بعد لکھا ہے: یہ سند شیخ کی دوسری کتاب تہذیب الاحکام میں اس طرح ہے: ((عن محمد بن احمد بن یحیی، عن محمد بن احمد، عن ابیہ، عن ابن ابی عمیر)) لیکن صحیح وہی الاستبصار کی سند ہے، کیونکہ دوسری کتب حدیث کی ضبط کے موافق بھی ہے اور دوسری روایات کے مطابق بھی۔[2]

ب) متن میں قلب

متن میں قلب اضطراب در متن اور بالآخر روایت میں اجمال کا باعث بنتا ہے۔

نمونہ:

کلینی نے بصورت مسند نقل کیا ہے:

((وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ص أَنَّهُ قَالَ: اضْرِبُوهَا عَلَى النِّفَارِ وَلَا تَضْرِبُوهَا عَلَى الْعِثَارِ.)) چوپائے اگر رام نہ ہوں تو انہیں مارو لیکن اگر یہ راستے میں کوئی لغزش کر بیٹھے تو نہ مارنا۔[3]

---

[1] الاستبصار: ج۱، ص۵۰؛ نیز دیکھیے: تہذیب الاحکام: ج۱، ص۳۶.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱۵، ص۳۷؛ نیز دیکھیے: وسائل الشیعۃ: ج۱، ص۳۰۱.

[3] الکافی: ج۶، ص۵۳۸.

اسی روایت کو شیخ صدوق نے اس طرح نقل کیا ہے:

((وَرُوِيَ أَنَّهُ قَالَ اضْرِبُوهَا عَلَى الْعِثَارِ وَلَا تَضْرِبُوهَا عَلَى النِّفَارِ)) انہیں راستے میں لغزش کرنے پر مارو لیکن اگر یہ رام نہ ہوں تو نہ مارنا۔[1]

ظاہراً شیخ صدوق سے غلطی ہوئی ہے۔[2] علامہ مجلسی راقم ہیں: شاید جو الکافی میں آیا ہے وہ فوقیت کا حامل اور اظہر ہو۔[3] بنابریں، شیخ کلینی کی روایت کی صحت کی بنا پر شیخ صدوق کی روایت میں قلب انجام پایا ہے۔

۵۔ مدلس

روایت مدلس اس روایت کو کہتے ہیں جس کے عیب پنہاں رہ گئے ہوں۔[4] بعبارت دیگر، اس قسم کی روایات میں راوی یا محدث سلسلہ سند روایت کو اس طرح سے تنظیم کرتا ہے کہ وہ معتبر دکھنے لگتی ہے۔[5] بنابریں، تدلیس سند میں واقع ہوتی ہے اس صورت سے کہ راوی اس شخص سے روایت نقل کرتا ہے جس سے اس نے ملاقات ہی نہیں کی ہوتی اور اس طرح وہ یہ توہم ایجاد کرتا ہے کہ اس نے اس شخص سے ملاقات کی تھی۔[6]

---

[1] من لا یحضرہ الفقیہ: ج۲، ص۲۸۶.

[2] محاسن برقی: ج۲، ص۴۷۵.

[3] مرآۃ العقول: ج۲۲، ص۴۵۶.

[4] نہایۃ الدرایۃ: ص۲۹۵.

[5] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۷۶؛ اصول الحدیث: ص۱۱۴؛ قواعد التحدیث: ص۱۳۲.

[6] حسین کرکی: جامع المقاصد: ج۱، ص۲۸۳؛ نووی، مقدمۃ المنہاج: ج۱، ص۳۳.

نمونہ:

ابن خَشْرَم کہتا ہے میں سفیان بن عیینہ کے پاس تھا، اس نے زُہری سے حدیث نقل کی۔ اس سے کہا گیا کہ کیا زہری نے تجھ سے حدیث کہی تو وہ ساکت ہو گیا، دوبارہ بولا: زہری نے کہا۔ اس سے کہا گیا کیا تو نے زہری سے سنا ہے، اس وقت بولا: نہیں میں نے زہری سے نہیں سنا نہ کسی ایسے سے جس نے زہری سے سنا ہو، مجھے عبدالرزاق نے بیان کیا اور اسے معمر نے کہا اور اس سے زہری نے بیان کیا۔[1]

علمائے رجال جیسے ابن حجر، ابن اثیر اور مامقانی نے اسے مدلس کہا ہے۔[2]

٦۔ مُعْضَل

لغت میں معضل کے معنی ایک ایسے امر دشوار کے ہیں جس کی اصلاح اور بھرپائی کرنا مشکل ہو۔[3] حدیث معضل کی اصطلاح کا ایسی حدیث پر اطلاق ہوتا ہے کہ جس کے تلے اوپر دو راوی سند سے حذف ہوں اور اس طرح مستمع کے واسطوں کے حذف ہونے کی وجہ سے، سند کا صحیح درک کرنا سختی اور مشقت سے دوچار ہو جائے۔[4]

---

[1] ہروی قاری، شرح شرح نخبۃ الفکر: ص ٣٢٠.

[2] تقی شوستری، قاموس الرجال: ج٥، ص١٥٨.

[3] معجم مقاییس اللغۃ: ج٤، ص٣٤٥.

[4] مقباس الہدایۃ: ج١، ص٣٣٥؛ تدریب الراوی: ج١، ص٢١١؛ علوم الحدیث و مصطلحہ: ص ١٦٩؛ نہایۃ الدرایۃ: ص٢٠٠.

علامہ مامقانی اس بات کی تاکید کرتے ہیں کہ حدیث معضل میں دو راویوں کا حذف ہونا لازم ہے، اور اگر اس کے اول سے ایک راوی حذف ہو تو حدیث معلّق اور اگر آخر سے حذف ہو تو مرسل ہو جائے گی۔[1]

نمونہ:

ایک روایت کا سلسلہ سند کچھ یوں ہے: ((... محمد بن ابی عمیر انّ الصادق علیہ السلام قال:...))[2]

اس روایت میں جو چیز تأمل کے قابل ہے وہ ابن ابی عمیر کا امام صادقؑ سے ملاقات کا بعید ہونا ہے۔ آیت اللہ خوئی کا یہ ماننا ہے کہ ان کے اور امامؑ کے درمیان دو واسطے حذف ہوئے ہیں۔[3] اس بنا پر حدیث، معضل ہے۔

٧۔ حدیث مطروح

حدیث مطروح وہ روایت ہے جس کی جانب علماء نے توجہ نہ کی ہو اور اسے چھوڑ دیا ہو۔ یہ چھوڑنا یا تو ضعف سند کی وجہ سے ہوتا ہے یا متن میں اجمال و اضطراب کی وجہ سے یا پھر اصول و قواعد مسلّم اسلامی سے مخالفت کی بنا پر۔

کبھی کبھار حدیث مطروح محدود تر معنی پر بھی دلالت کرتی ہے یعنی ایسی روایت پر جو دلیل قطعی کے مخالف ہو کہ جس کی تاویل نہ کی جا سکے پر حدیث مطروح کا اطلاق ہوتا ہے۔[4] اہلسنت

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج١، ص٣٣٦ و ٣٣٧.

[2] من لا یحضرہ الفقیہ: ج١، ص٢٦٣.

[3] معجم رجال الحدیث: ج١٣، ص٢٩٣.

کے یہاں حدیث مطروح کی ان کے علمائے حدیث نے ایک اور طرح سے تعریف بیان کی ہے جس کے مطابق یہ ضعیف سے کمتر لیکن موضوع سے بالاتر قرار پاتی ہے۔[2]

نمونہ:

سکونی نے امام صادقؑ سے نقل کیا:

((أَنَّ عَلِيّاً ع قَالَ: لَبَنُ الْجَارِيَةِ وَبَوْلُهَا يُغْسَلُ مِنْهُ الثَّوْبُ قَبْلَ أَنْ تَطْعَمَ لِأَنَّ لَبَنَهَا يَخْرُجُ مِنْ مَثَانَةِ أُمِّهَا وَلَبَنُ الْغُلَامِ لَا يُغْسَلُ مِنْهُ الثَّوْبُ وَلَا بَوْلُهُ قَبْلَ أَنْ يَطْعَمَ لِأَنَّ لَبَنَ الْغُلَامِ يَخْرُجُ مِنَ الْعَضُدَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ.)) وہ دودھ جو ایک بچی دوسری غذائیں کھانے سے پہلے پیتی ہے اور اس کا پیشاب بھی اگر لباس پر لگ جائے تو اسے دھونا لازم ہے لیکن لڑکے کے بارے میں ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ لڑکی کا دودھ ماں کے مثانے سے خارج ہوتا ہے جبکہ لڑکے کا دودھ اس کی ماں کے بازوؤں اور شانوں سے۔[3]

آیت اللہ خوئی اس حدیث کو مخدوش شمار کرتے ہیں اور اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ اس کا اصول مسلم علمی سے مخالف ہونا جانتے ہیں اور وہ یہ کہ دودھ کی کیفیت کے معاملے میں لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں۔[4]

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۱۴؛ درایۃ الحدیث: ص۷۰.

[2] تدریب الراوی: ج۱، ص۲۹۶، حاشیہ.

[3] وسائل الشیعۃ: ج۲، ص۱۰۰۳.

[4] التنقیح: ج۳، ص۸۳؛ نیز دیکھیے: باقر الصدر، بحوث فی العروۃ الوثقی: ج۱۳، ص۱۴؛ مدارک الاحکام: ج۲، ص۲۶۳.

۸۔ حدیث موقوف

اغلب موارد میں حدیث موقوف اس حدیث کو کہتے ہیں جو امام کے مصاحب سے نقل ہوئی ہو؛ چاہے معصوم رسول اللہ ﷺ ہوں یا امامؑ؛ چاہے فعل ہو یا قول؛ متصل ہو یا منقطع۔[1]

شایان ذکر ہے کہ حدیث موقوف اور حدیث مضمر میں یہ فرق ہے کہ حدیث مضمر میں متنِ حدیث کا اس کے کہنے والے کی جانب استناد کا احتمال موجود نہیں ہوتا اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں مراد کوئی اور ہے؛ کیونکہ راوی ضمیر کو صراحت کے ساتھ اپنے علاوہ کسی اور کی جانب نسبت دیتا ہے اور اس میں پہچانا نہیں جاسکتا کہ ضمیر کا مرجع معصوم ہے یا غیر معصوم مگر یہ کہ کوئی قرینہ موجود ہو۔ لیکن حدیث موقوف میں بالیقین متن کا کہنے والا مصاحب معصوم ہوتا ہے نہ کہ کوئی اور۔[2]

اس کے باوجود بعض اوقات فقہاء کے یہاں حدیث مضمر کو حدیث موقوف سے تعبیر کیا جاتا ہے ویسے ہی جیسے موقوف پر مقطوعہ کا اطلاق بھی کیا جاتا ہے۔[3]

نمونہ:

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں: ((عِدَّةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ سَهْلِ بْنِ زِيَادٍ عَنِ الرَّيَّانِ بْنِ الصَّلْتِ عَنْ يُونُسَ قَالَ:...))

---

[1] الرعایۃ: ص۱۳۲؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۱۹۸؛ علوم الحدیث و مصطلحہ: ص۲۰۸.

[2] قواعد الحدیث: ص۲۱۶.

[3] قواعد الحدیث: ص۲۱۶؛ فضلی، اصول الحدیث: ص۱۰۱.

علامہ سید محمد عاملی اس روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ روایت یونس پر موقوف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔[1]

۹۔ حدیث منقطع

اس کے باوجود کہ بعض افراد حدیث منقطع کو حدیث مقطوع ہی جانتے ہیں؛[2] لیکن شیخ بہائی اس بارے میں لکھتے ہیں: حدیث منقطع وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند کے وسط سے ایک راوی حذف ہو۔[3]

نمونہ:

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں:

((عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنْ زُرَارَةَ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع قَالَ...))[4]

آیت اللہ خوئی اس حدیث کے ذیل میں راقم ہیں: اس قسم کی سندوں میں ابن ابی عمیر اور زرارہ کے درمیان ایک واسطہ حذف ہے؛ کیونکہ شیخ طوسی نے تہذیب الاحکام میں یہ سند اس طرح نقل کی ہے((ابن ابی عمیر عن حماد عن زرارۃ))[1]

---

[1] مدارک الاحکام: ج۶، ص۱۰۱۔

[2] سخاوی، فتح المغیث: ج۱، ص۱۲۳؛ الرعایۃ: ص۱۳۵۔

[3] الوجیزۃ: ص۲۸۔

[4] الکافی: ج۳، ص۳۴۰۔

۱۰۔ حدیث موضوع

شہید ثانی حدیث موضوع کے بارے میں لکھتے ہیں: ((الحدیث الموضوع هو المکذوب المختلق المصنوع)) حدیث موضوع وہ حدیث ہے جو جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہو۔[2]

[حدیث موضوع کو حدیث مجعول، مصنوع، ملصق، مخترع، مکذب اور مختلق بھی کہتے ہیں]

اس کے باوجود ایسا نہیں ہے کہ ایک پکے جھوٹے شخص کی بھی ہر حدیث جھوٹی ہو؛ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کبھی سچ بھی بول دے۔ کسی راوی کی جانب وضع حدیث کی نسبت دینا روایت کے ضعف کے اہم دلائل میں سے ہے۔[3]

حدیث موضوع کی شناخت کے لیے چند معیار بیان کیے گئے ہیں کہ ہم ان کی جانب مختصراً اشارہ کردیتے ہیں۔

---

[1] تہذیب الاحکام: ج۲، ص۸۹؛ معجم رجال الحدیث: ج۷، ص۲۵۰؛ آیت اللہ خوئی کی اسناد کے درمیان حذف شدہ واسطوں کے کشف میں کی گئی کوششیں قابل ستائش ہیں اور اس حوالے سے ان کی کتاب معجم مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔

[2] الرعایۃ: ص۱۵۲؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۳۰۹؛ مقدمۃ ابن الصلاح: ص۷۷؛ علوم الحدیث و مصطلحہ: ص۲۶۳۔

[3] نہایۃ الدرایۃ: ص۳۰۹؛ الرعایۃ: ص۱۵۲۔

۱۔ اعتراف وضع: نمونے کے طور پر نوح بن ابراہیم (م ۱۷۳ھ) نے خود اعتراف کیا کہ لوگوں کو قرآن کی جانب ترغیب دلانے کے لیے اس نے ابن عباس سے منسوب کر کے روایات کو جعل کیا۔[1]

۲۔ متن کا سستی کا شکار ہونا اور اس پر عربی ادبیات کے قواعد کا انطباق نہ ہونا۔[2]

۳۔ عقلی مبانی اور روشن و واضح علمی دلائل کی مخالفت۔[3]

۴۔ قرآن کی آشکار مخالفت۔[4]

۵۔ صحیح قطعی روایت اور تاریخی حقائق کی مخالفت۔[5]

۶۔ اجماع قطعی کی مخالفت۔[6]

نمونہ:

جن کتب میں موضوع روایات کی تحقیق و دستہ بندی کی گئی ہے ان میں بہت سی جعلی

---

[1] الرعایۃ: ص ۱۵۶؛ علوم الحدیث و مصطلحہ: ص ۲۶۳.

[2] مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۴۰۲.

[3] مقباس الہدایۃ: ج ۱، ص ۴۰۳؛ ابوالقاسم الخوئی، التنقیح: ج ۳، ص ۸۳؛ علامہ طباطبائی، المیزان: ج ۱۷، ص ۳۷۲.

[4] المیزان: ج ۷، ص ۱۵۰ و ۲۰۹.

[5] المیزان: ج ۲۰، ص ۸۳؛ نیز دیکھیے: شرف الدین عاملی، النص و الاجتہاد: ص ۱۰۵؛ رضا استادی، دہ مقالہ: ص ۳۷۱.

[6] بحارالانوار: ج ۳۵، ص ۱۳۸ و ۱۳۹.

احادیث تلاش کی جا سکتی ہیں؛ جیسے احادیث غرانیق جن کی بنا پر (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ نے عرب کے بتوں کی تعظیم کی؛ یا قرآن کی تحریف پر دال روایات، یا خدا کی جسمانیت کے حوالے سے گھڑی گئی روایات، یا انبیاء کی جانب گناہ کی نسبت دینے والی روایات۔

اس بحث کے اخر میں ہم ایک جعلی و گھڑی ہوئی حدیث نقل کرتے ہیں: ابوہریرہ کہتے ہیں: ((تم پر جہاد لازم ہے چاہے صالح امیر کی رکاب میں لڑو یا گناہگار امیر کی رکاب میں، چاہے وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ کرتا ہو۔ تم پر لازم ہے کہ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لو چاہے وہ صالح ہو یا گناہ کبیرہ کا مرتکب!))[1] [دیکھیے: تتمہ ۱۱]

۱۱۔ حدیث مردود

حدیث مردود وہ حدیث ہے جس پر فقہاء نے اطمینان حاصل نہ ہونے کی وجہ سے عمل نہ کیا ہو۔ حدیث مردود صحیح السند و ضعیف السند سے اعم تر ہے؛ کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صحیح سند ہونے کے باوجود بھی علماء اس پر عمل نہیں کرتے۔ حدیث مردود کے مقابل حدیث معتبر ہے۔[2]

نمونہ:

شیخ طوسی روایت کرتے ہیں: ((مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مَحْبُوبٍ عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ حُكَيْمٍ عَنْ مُوسَى بْنِ بَكْرٍ عَنْ أَبِي مَرْيَمَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ يَحْيَى وَ مُعَاوِيَةُ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَسَنِ بْنِ رِبَاطٍ عَنْ أَبِي

---

[1] دیکھیے: کنزل العمال: ج ۴، ص ۲۷۹؛ میزان الحکمۃ: ج ۱، ص ۱۸۱.

[2] درایۃ الحدیث: ص ۷۶.

مَرْيَمَ الْأَنْصَارِيِّ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ ع قَالَ: فِي امْرَأَةٍ قَتَلَتْ رَجُلاً قَالَ تُقْتَلُ وَ يُؤَدِّي وَلِيُّهَا بَقِيَّةَ الْمَالِ وَ فِي رِوَايَةِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ مَحْبُوبٍ بَقِيَّةَ الدِّيَةِ.))

اس روایت کی اساس پر اگر ایک خاتون کسی مرد کو قتل کردے، تو لازم ہے کہ وہ خاتون قصاص کی جائے اور مرد کی نصف دیت خاتون کا ولی ادا کرے۔ شیخ طوسی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

۱۔ یہ روایت شاذ ہے۔

۲۔ متفرد ہے اور ابی مریم کے علاوہ اسے کسی نے نقل نہیں کیا۔ ہر چند کہ مختلف کتابوں میں متعدد اسناد کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

۳۔ بہت سی احادیث کے مخالف ہے۔

۴۔ قرآن کے ظاہر کے خلاف ہے: ﴿وَ كَتَبْنا عَلَيْهِمْ فِيها أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾ اور ہم نے تورات میں ان پر لازم کیا کہ جان کا بدلہ جان ہے اور آنکھ کا بدلہ آنکھ۔[1]

۵۔ بہت سی روایات کی تصریح کے مطابق انسان اپنی جان سے زیادہ ظلم نہیں کر سکتا۔ [یعنی اس کے حدودرجہ ظلم کے بدلے میں اگر کوئی چیز جائے گی تو وہ خود اس کی جان ہے]

بنابریں، لازم ہے کہ یہ روایت رد کی جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے۔[2]

---

[1] مائدۃ: ۴۵۔

[2] تہذیب الاحکام: ج۱۰، ص۱۸۳۔

۱۲۔ حدیث معتبر

حدیث معتبر وہ حدیث ہے جس کے مضمون پر عمل کیا گیا ہو؛ چاہے وہ صحیح السند ہو یا ضعیف السند۔ اس قسم کی حدیث کا اعتبار قرائن کی بناپر ہوتا ہے جن کی اساس پر اس حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور اس کا وثوق حاصل کیا جاتا ہے (وثوق صدوری)

نمونہ:

اس بارے میں مرسلہ حماد توجہ کے قابل ہے۔ یہ مرسلہ ایسے شخص کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو ماں کی جانب سے ہاشمی ہو۔ کیا ایسا شخص خمس لینے کا حق رکھتا ہے یا نہیں؟[1] اکثر فقہاء نے اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اس شخص کو مستحق خمس نہیں جانا جس کی ماں ہاشمیہ ہو۔ صاحب جواہر الکلام لکھتے ہیں: ((ہر چند کہ یہ روایت مرسل ہے لیکن چند قرائن کی بناپر معتبر ہے:

۱۔ محمدین ثلاثہ (شیخ کلینی، شیخ صدوق، شیخ طوسی) نے اسے نقل کیا ہے اور ان کا نقل میں اتفاق اس کی سند کے ارسال کی بھرپائی کے لیے کافی ہے۔

۲۔ اس میں تامل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ عامہ کے احکام کے مخالف ہے۔

۳۔ تمام علماء نے اس پر عمل کیا ہے سوائے سید مرتضی علم الہدیٰ۔

۴۔ یہ روایت احتیاط کے موافق ہے))۔[2]

---

[1] دیکھیے: الکافی: ج۱، ص۵۳۹۔

[2] جواہر الکلام: ج۱۶، ص۹۱۔

۱۳۔ حدیث محرّف

حدیث محرف اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے متن کو کوئی شخص جانتے بوجھتے بدل دے یا اس میں سے کچھ حذف کر دے۔[1] اس کے علاوہ، متن حدیث میں اضافہ کرنا تحریف کی ایک قسم مانی گئی ہے لہذا بہتر ہے کہ ہم اسے حدیث موضوع کے ذیل میں ہی قرار دیں۔

یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ حدیث محرف، حدیث مزید کے علاوہ ہے۔ اگر حدیث محرف کی اصل مشخص اور واضح ہو، تو اس سے استناد کیا جا سکتا ہے اور اس کی تحریف روایت کے سقوط کا باعث نہیں بنے گی:

نمونہ:

امام علیؑ فرماتے ہیں: ((فَرَضَ اللهُ الإِيمَانَ تَطْهِيراً مِنَ الشِّرْكِ وَ الصَّلاَةَ تَنْزِيهاً عَنِ الْكِبْرِ... وَ الإِمَامَةَ نِظَاماً لِلأُمَّةِ وَ الطَّاعَةَ تَعْظِيماً لِلإِمَامَةِ)) خدا نے ایمان کو شرک سے پاک ہونے اور نماز کو تکبر سے بچاؤ کے لیے واجب کیا... امامت کو امت کے نظام چلانے اور اطاعت کو امامت کی تعظیم کے لیے فرض کیا۔

نہج البلاغہ کے بعض نسخوں اور شروح میں اس عبارت: ((الإِمَامَةَ نِظَاماً لِلأُمَّةِ)) کی جگہ یہ تعبیر: ((وَ الأَمَانَةَ نِظَاماً لِلأُمَّةِ)) لائی گئی ہے؛[2] جو کہ تحریف ہے؛ کیونکہ نہج البلاغہ کے معتبر و مقدم نسخوں اور شروح میں یہ جملہ نہیں آیا؛[1] اور ساتھ ہی اگر متن کی ساخت پر غور کیا

---

[1] درایۃ الحدیث: ص۶۵؛ محمد رضا مامقانی، مستدرکات مقباس الہدایۃ: ج۵، ص۲۲۴.

[2] محمد عبدہ، شرح نہج البلاغہ: ص۱۳۶؛ نہج البلاغہ: کلمات قصار، تصحیح صبحی صالح، ص۵۱۲.

جائے تو پہلے جملے کی ہی تائید ہوتی ہے کیونکہ امامؑ نے آگے چل کر فرمایا: ((وَ الطَّاعَةَ تَعْظِيماً لِلإِمَامَةِ)) اور اس صورت میں عبارت کے معنی صحیح تر اور سیاق و سباق سے زیادہ مطابقت کے حامل دکھائی دیںگے۔

۱۴۔ حدیث معلّل

علمائے حدیث اور فقہاء کی اصطلاح میں حدیث معلل دو معنی رکھتی ہے:

الف) وہ حدیث جو علت بیان کرے

حدیث معلل وہ حدیث ہے جس میں علت ذکر ہوئی ہو۔[1] کسی روایت میں تعلیل کا ذکر کرنا نہ فقط یہ کہ روایت کے اعتبار حاصل کرنے اور اس کے مفہوم کی تقویت اور تعارض کے وقت دوسری احادیث پر تقدم کا موجب بنتا ہے[2] بلکہ حکم کی عمومیت کا سبب بھی ہے۔ اس معنی میں کہ اس دلیل کی بنا پر دوسری روایات کی علت بھی سمجھی جا سکتی ہے۔ یہ وہی قیاس منصوص العلت ہے جس کی علم اصول فقہ میں تحقیق کی جاتی ہے۔[4]

---

[1] شرح ابن ابی الحدید معتزلی: ج۱۹، ص۸۶؛ ابن میثم بحرانی، شرح نہج البلاغہ: ج۵، ص ۳۶۵.

[2] درایۃ الحدیث: ص۸۳.

[3] مسالک الافہام: ج۳۹، ص۱۵۷؛ مدارک الاحکام: ج۳، ص۲۷.

[4] علی نقی حیدری، اصول الاستنباط: ص۲۵۸.

نمونہ:

ایسی روایات موجود ہیں جن میں اس شخص کے لیے جس نے احرام باندھ رکھا ہو آئینہ دیکھنا اور سرمہ لگانا اس وجہ سے کہ زینت کا باعث ہے حرام شمار کیا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں احرام باندھے شخص کے لیے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا حرام جانا گیا ہے؛ کیونکہ ہاتھ میں انگوٹھی پہننا زینت شمار ہوتا ہے؛ اس کے باوجود کہ یہ سنت میں ایک مستحب امر ہے۔ علامہ حلی کہتے ہیں:

((لایجوز للمحرم ان یلبس الخاتم للزینة ویستحب للسنة لأنّ الروایات... دلّت بمفهومها علی تعلیل الحرمة بالزینة فثبت فی لبس الخاتم للزینة))[1] محرم (جس نے احرام باندھ رکھا ہو) پر جائز نہیں کہ وہ ہاتھ میں انگوٹھی پہنے جبکہ سنت میں یہ مستحب امر ہے کیونکہ روایات میں زینت کو علت حرمت جانا گیا ہے اور ہاتھ میں انگوٹھی پہننا زینت ہی ہے۔

ب) حدیث جو سند یا متن میں نقص کی حامل ہو

حدیث معلل کی دوسری قسم وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں کوئی نقص ہو۔[2] سند و متن میں موجود عوامل نقص جیسا کہ اس سے پہلے بھی ان کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے، عبارت ہیں: اضطراب، وقف راوی، راویوں کے اشتراک اسماء، ارسال، اضمار، ایک حدیث کا دوسری حدیث میں ادخال۔

---

[1] تذکرة الفقهاء: ج۷، ص۳۲۹؛ تهذیب الاحکام: ج۵، ص۷۳و۲۴۲.

[2] درایة الحدیث: ص۸۴؛ علوم الحدیث و مصطلحه: ص۱۷۹.

شہید ثانی اضافہ کرتے ہیں: اگر روایت علت پنہاں پر مشتمل ہو تو معلل ہو جائے گی۔ بنا بریں، روایت کے نقص کے واضح ہونے کی صورت میں اسے معلل نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بتاتے چلیں کہ علمائے تسنن نے عدم علت کو روایت کے صحیح ہونے کی شرط جانا ہے جبکہ شیعوں کے یہاں ایسا نہیں ہے۔[1] فقہی تعبیرات میں حدیث معلل کو حدیث معلول سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

نمونہ:

شیخ کلینی روایت کرتے ہیں: ((عَنْ عَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُخْتَارِ وَ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَسَنِ الْعَلَوِيِّ جَمِيعاً عَنِ الْفَتْحِ بْنِ يَزِيدَ الْجُرْجَانِيِّ عَنْ أَبِي الْحَسَنِ ع قَالَ: كَتَبْتُ إِلَيْهِ أَسْأَلُهُ عَنْ جُلُودِ الْمَيْتَةِ الَّتِي يُؤْكَلُ لَحْمُهَا ذَكِيّاً فَكَتَبَ ع لَا يُنْتَفَعُ مِنَ الْمَيْتَةِ بِإِهَابٍ وَ لَا عَصَبٍ وَ كُلُّ مَا كَانَ مِنَ السِّخَالِ مِنَ الصُّوفِ إِنْ جُزَّ وَ الشَّعْرُ وَ الْوَبَرُ وَ الْإِنْفَحَةُ وَ الْقَرْنُ (يُنْتَفَعُ بِهَا) وَ لَا يُتَعَدَّى إِلَى غَيْرِهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ.))

فتح بن یزید جرجانی کہتے ہیں: میں نے امام موسیٰ کاظمؑ کو لکھا اور ان سے اس حیوان حلال گوشت کی کھال کی حلیت کے بارے میں پوچھا جو مر چکا ہے۔ امامؑ نے جواب لکھا: مردار کی کھال اور رگوں سے استفادہ نہیں ہو سکتا، ایسے ہی اون جو اس سے چھنا گیا ہو، بال، کھر، مایہ دار پنیر، تازہ پیدا ہوئے بکرے اور گوسفند کے سینگ، ان کے علاوہ بات اس سے آگے نہیں جائے گی انشاء اللہ۔[2]

---

[1] الرعایة: ۷۷؛ نهایة الدرایة: ص۳۲۵؛ مقباس الهدایة: ج۱، ص۱۵۳.

[2] تهذیب الاحکام: ج۹، ص۷۶.

یہ روایت چند وجوہات کی بنا پر مخدوش ہے:

۱۔ سند ضعیف ہے فتح بن یزید کی وجہ سے کیونکہ ان کی توثیق وارد نہیں ہوئی؛

۲۔ متن میں اضطراب موجود ہے؛

۳۔ معلل ہے، کیونکہ اس میں کلمہ یا جملے کے سقوط کا احتمال موجود ہے اور الکافی کے بعض نسخوں میں یہ تعبیر: ((کل ما کان من السحال)) آئی ہے۔[1]

۱۵ ۔ حدیث مقطوع

حدیث مقطوع وہ حدیث ہے جس کے بعض راوی ناآشنا ہوں یا معصوم سے متصل نہ ہوں۔[2] فقہاء کی اصطلاح میں حدیث مقطوع کا اطلاق زیادہ تر اس روایت پر ہوتا ہے جو معصوم سے متصل نہ ہو۔ علمائے تسنن کے یہاں حدیث مقطوع وہ حدیث ہے جو تابعین سے روایت ہوئی ہو، چاہے وہ گفتار ہو یا کردار۔[3]

لازم بذکر ہے کہ اسناد میں قطع بعض اوقات اتنا خفی ہوتا ہے کہ اس کی شناخت بہت مشکل ہوتی ہے اور اس کے لیے علم الرجال سے آگاہی ضروری ہے۔

روایات مقطوعہ ضعیف روایات کے زمرے میں آتی ہیں، اس کے باوجود ہر قطع باعث ضعف نہیں ہوتا اور ہو سکتا ہے کہ کبھی ایک روایت مقطوع معتبر ہو اور اس کی صحت پر قرائن

---

[1] دیکھیے: الوافی: ج۱۹، ص۱۱؛ الاستبصار: ج۴، ص۹۰، حاشیہ۔

[2] نہایۃ الدرایۃ: ص۱۹۸؛ مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۳۰۔

[3] علم الحدیث و مصطلحہ: ص۲۰۹؛ تدریب الراوی: ج۱، ص۱۹۴۔

موجود ہوں۔

نمونہ:

بیوی کے شوہر سے ارث حاصل کرنے کے بارے میں یوں وارد ہوا ہے: ((... عَنِ ابْنِ أُذَيْنَةَ فِي النِّسَاءِ إِذَا كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ أُعْطِينَ مِنَ الرِّبَاعِ.)) بیوی جب بچے دار ہو تو غیر منقولہ جائیداد جیسے گھر اور عمارت سے ارث حاصل کرے گی۔[1]

شیعہ فقہاء کے درمیان مشہور یہی ہے کہ زوجہ غیر منقولہ جائیداد حاصل نہیں کرتی۔ انہوں نے اس حدیث کو مقطوع شمار کیا ہے اور اس کے ضعف کا حکم لگایا ہے۔[2] کیونکہ حدیث معصوم سے متصل نہیں اور معلوم نہیں کہ کہنے والے امامؑ ہیں یا خود راوی۔ [دیکھیے: تتمہ ۱۲]

---

[1] وسائل الشیعۃ: ج۱۷، ص۵۲۳۔

[2] مجمع الفائدۃ و البرہان: ج۱۱، ص۴۴۴؛ جواہر الکلام: ج۳۹، ص۲۱۰۔

فصل ششم: جرح وتعدیل

- وثاقت راوی کے اثبات کی راہیں
- تعدیل (توثیق) پر دال الفاظ
- توثیق کے عام قواعد
- قدح وجرح

فصل ششم: جرح وتعدیل

مقدمہ

اس فصل میں جو اس کتاب کی آخری فصل ہے ہم راویوں کی شناخت کے طریقے بیان کریں گے۔ ان طریقوں کی بنیاد پر جنہیں مفصل طور پر علم الرجال الحدیث میں پیش کیا جاتا ہے ، صحیح حدیث کو غیر صحیح حدیث سے الگ کر کے پہچانا جاتا ہے اور راوی کی وثاقت اور اس کے ضعف کی راہیں اور موارد معلوم کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے مباحث جو جرح و تعدیل کے ذیل میں قرار پاتے ہیں میں ہم یہ چیز بیان کرینگے کہ کن اصطلاحات اور تعبیرات کی بنا پر ہم وثاقت راوی کو جانچ سکتے ہیں اور وہ کون سی نشانیاں ہیں جن کی اساس پر کسی راوی کی تضعیف کا حکم لگایا جاتا ہے۔

ا۔ وثاقت راوی کے اثبات کی راہیں

الف) معصومؑ کی تصریح

کسی راوی کی وثاقت کی تصریح کے لیے موجود راہوں میں سے ایک امامؑ کا اس کی وثاقت

کی تصریح کرنا ہے۔ علمائے اصول فقہ نے حجیت خبر واحد کی بحث میں اس قسم کی احادیث کو جمع کیا ہے۔[1] ایسے ہی بعض کتب رجال میں اس قسم کی روایات دیکھی جا سکتی ہیں، جیسا کہ کشی نے اپنی کتاب رجال میں ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے: بطور مثال: امام ہادی نقیؑ نے جناب عمری کی وثاقت کی تصریح فرمائی ہے: ((العمری ثقة فما ادی الیک عنی))[2] اگر اس قسم کی روایات جو خود راوی [جس کی وثاقت بیان ہو رہی ہو] کے توسط سے نقل نہ ہوئی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ صحیح السند بھی ہوں، تو ان کے ذریعے راوی کی وثاقت ہاتھ آتی ہے، اور ایسے ہی یہ روایات راوی کے ضعف کو بھی بیان کرتی ہیں۔[3]

ب) تصریح علمائے رجال

علمائے رجال متقدمین جیسے نجاشی اور شیخ طوسی اگر اپنی کتب میں کسی راوی کی وثاقت یا ضعف کی تصریح کریں، تو ان کی بات کو قبول کیا جاتا ہے۔ فقہاء، علمائے رجال کے اقوال پر تکیہ کرتے ہیں اور انہوں نے ان کے اقوال کو باب خبر ثقہ یا شہادت کے باب سے جانا ہے۔ البتہ علماء خبر ثقہ کے معاملے میں ایک عالم رجال کی خبر کو کافی جانتے ہیں لیکن شہادت کے معاملے

[1] الرسائل: ج۱، ص۱۳۸؛ وسائل الشیعة: ج۱۸، ص۹۸.
[2] الکافی: ج۱، ص۳۳۰.
[3] جعفر سبحانی، کلیات فی علم الرجال: ص۴۱؛ معجم رجال الحدیث: ج۱۳، ص۲۷.

میں تعدد کو شرط مانتے ہیں۔[1] اسی درمیان بعض افراد نے علمائے رجال متاخرین کے اقوال کو بھی حجت مانا ہے اور انہوں نے اس اساس پر کسی راوی کی وثاقت یا ضعف کا حکم لگایا ہے۔[2] ہر چند کہ بعض علماء کا یہ ماننا ہے کہ متاخرین جیسے علامہ حلی، ابن داؤد اور سید ابن طاؤوس کی کسی راوی کی وثاقت سے متعلق تصریحات توثیق کا باعث نہیں بنتیں۔[3]

ج) قرائن کی جمع آوری

اگر کسی راوی کی وثاقت کی مذکورہ بالا طرق سے تصریح نہ ہوئی ہو تو جمع قرائن کے ذریعے سے بھی اس کی وثاقت کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔ توثیق کے قواعد عامہ جنہیں ہم آگے چل کر پیش کریں گے اگر راوی کی وثاقت کے بیانگر نہ بھی ہوں تب بھی اس کی وثاقت پر ایک قرینہ شمار ہوتے ہیں؛ نمونے کے طور پر علامہ مہدی بحر العلوم محمد بن خالد برقی کے نام کے تحت لکھتے ہیں: ((ان کی وثاقت ان قرائن سے ثابت ہوتی ہے: بہت زیادہ نقل روایت؛ ان کی روایات کا سالم ہونا؛ اور ان سے شیخ کلینی اور صدوق کا بہت زیادہ روایت نقل کرنا...))[4]

[1] عبداللہ مامقانی، تنقیح المقال: ج۱، ص۱۸۲؛ معجم الرجال الحدیث: ج۱، ص۲۰.
[2] مجمع الفائدة و البرهان: ج۷، ص۳۵۷ و ج۱۳، ص۱۳۸.
[3] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۴۶؛ کلیات فی علم الرجال: ص۱۵۴.
[4] الفوائد الرجالیہ: ج۱، ص۳۴۸.

۲۔ تعدیل (توثیق) پر دال الفاظ

بعض ایسی تعبیرات اور الفاظ موجود ہیں جو علمائے رجال اور محدثین کی اصطلاح میں راوی کی توثیق یا مدح کو بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ یہ ہیں: ((ثقہ، عدل، عین، حجت، وجہ، مُتقِن، ثَبت، حافظ، ضابط، یحتجّ بحدیثہ، صدوق، یکتب حدیثہ، ینظر فیہ، لا باس فیہ، شیخ، جلیل، صالح الحدیث، مشکور، خیر، فاضل، خاص، صالح، مسکون الی روایتہ، مضطلع بالروایۃ))[1]

اس بارے میں کہ کیا یہ سارے الفاظ راوی کی توثیق پر دلالت کرتے ہیں یا نہیں، اختلاف ہے۔ غالباً علماء نے پہلے پانچ الفاظ کو مفید توثیق اور باقی سارے الفاظ و تعبیرات کو مفید مدح جانا ہے۔ اسطرح پہلی صورت میں روایت صحیح اور دوسری صورت میں حسن شمار ہو گی۔[2]

۳۔ توثیق کے عام قواعد

توثیق دو قسم کی ہے:

۱۔ توثیق خاص؛

۲۔ توثیق عام.

[1] ان الفاظ اور ان کی تفصیل کے لیے دیکھیے: الرعایۃ: ص ۲۰۴؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۳۸۲؛ اصول الحدیث: ص ۱۵۳؛ فضلی، اصول علم الرجال: ص ۸۳.

[2] مقباس الہدایۃ: ج ۲، ص ۱۴۰؛ قوانین الاصول: ص ۴۸۵؛ درایۃ الحدیث: ص ۱۱۳.

توثیق خاص سے مراد یہ ہے کہ کسی راوی کے بارے میں کتب رجالی میں تصریح ہوئی ہو کہ فلاں خاص و معین راوی ثقہ ہے یا کوئی اور الفاظ وارد ہوئے ہوں جو اس کی توثیق پر دال ہوں، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

توثیق عام سے مراد یہ ہے کہ راویوں کی کسی کلی قاعدے کے ضمن میں توثیق ہوئی ہو، نہ کہ شخصی اور خاص طور پر؛ جیسے: ((قاعدہ توثیق بنو فضال))، ((اصحاب اجماع)) یا ((شیوخ اجازہ)) وغیرہ[1] اس کے باوجود بھی بعض علمائے رجال و حدیث اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں اور انہوں نے مختلف نظرات پیش کیے ہیں؛ ان میں سے بعض نے ان سب قاعدوں کو قبول کیا ہے؛[2] اور بعض نے ان میں سے کچھ کو ہی درست مانا ہے اور ان میں سے اکثر کا انکار کیا ہے۔[3] یہ اختلاف ہر فقیہ کے رجالی مبنی سے جڑا ہوتا ہے۔

الف) راوی کا مشائخ اجازہ سے ہونا

بعض علمائے علم الرجال و حدیث کی نظر میں شیخ اجازہ ہونا، وثاقت یا مدح راوی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے باوجود بعض علماء نے اس امر کو اس بات سے مشروط کیا ہے کہ اجازہ لینے والا شخص ایسا ہونا چاہیے جو ضعیف روایات کی نقل کی سرزنش کرنے والا ہو۔ اس صورت میں اس

[1] فضلی، اصول علم الرجال: ص ۸۳؛ معجم رجال الحدیث: ج ۱، ص ۴۹.

[2] محمد باقر بہبہانی، الفوائد الرجالیہ: ص ۲۲۵.

[3] الرعایۃ: ص ۲۰۶؛ معجم رجال الحدیث: ج ۱، مقدمہ.

کا کسی شیخ سے اجازے کی درخواست کرنا اس شیخ کی وثاقت کا بیانگر ہو گا۔ بالخصوص اگر اجازہ دینے والا استاد علمائے مشہور میں سے ہو۔[1]

اس وجہ سے کہ قاعدہ اجازہ شیخ نے شہید اول کے دور سے فقہاء کی توجہ کو جذب کیا اور انہوں نے اسے مفید توثیق و مدح راوی جانا، بعض فقہاء نے اس قاعدے کا انکار کیا بلکہ اس پر نقد بھی کی ہے۔[2]

نمونہ:

اس قاعدے کے استعمال کا ایک نمونہ درج ذیل ہے:

علامہ بحر العلوم سہل بن زیاد کے بارے میں کہتے ہیں: جان لو کہ سہل بن زیاد سے نقل روایت صحیح ہے۔ ہر چند کہ ہم نے کہا ہے کہ وہ ثقہ نہیں؛ کیونکہ وہ مشائخ اجازہ میں سے ہے اور ان کے طبقے میں واقع ہوا ہے، پس اس کی روایت کی صحت کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔[3]

ب) وکالت راوی

اگر راوی امام معصومؑ کے وکلاء میں سے ہو، تو کیا اس کی یہ وکالت اس کی توثیق پر دلالت کرتی ہے؟ اس کے باوجود کہ بہت سے متقدمین و متاخرین علمائے رجال اس امر کو راوی کی

[1] محمد بن اسماعیل حائری، منتہی المقال: ج۱، ص۷۶.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۷۶.

[3] الفوائد الرجالیہ: ج۳، ص۲۳.

توثیق پر دال سمجھتے ہیں؛[1] بعض متاخرین نے اس قاعدے کو قبول نہیں کیا بلکہ اس پر نقد بھی کی ہے۔[2]

نمونہ:

قاعدہ وکالت راوی کے لیے یہ مثال دیکھیے: علامہ حلی ابراہیم بن محمد ہمدانی کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ امامؑ کے وکیل تھے اور انہوں نے چالیس حج ادا کیے تھے، پس بعید نہیں کہ ان کی اس راہ سے توثیق ہاتھ لگے۔[3]

ج) روایات کی کثرت

اس قاعدے کی بنا پر اگر کوئی راوی بہت زیادہ روایات نقل کرے، تو اس کی یہ کثرت نقل اس کی توثیق کی دلیل شمار ہو گی۔[4] اس قاعدے کا مبنیٰ وہ روایات ہیں جو افراد کی شان و منزلت کو ان کی اُن روایات کے برابر بیان کرتی ہیں جنہیں انہوں نے نقل کیا ہے۔ شیخ

[1] منتہی المقال: ج۱، ص۸۶؛ قوانین الاصول: ص۴۸۵؛ تنقیح المقال: ج۱، ص۲۳؛ الحدائق الناضرۃ: ج۲۳، ص۲۳۳.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۷۵.

[3] خلاصۃ الاقوال: ص۶؛ منتہی المقال: ج۱، ص۷۶.

[4] کلیات فی علم الرجال: ص۳۴۳؛ تنقیح المقال: ج۱، ص۲۳؛ محسن الحکیم، مستمسک العروۃ الوثقی: ج۱۴، ص۵۷۹.

انصاری نے اس قسم کی روایات کو مستفیض جانا ہے؛ ان روایات میں سے ایک بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

((... عَنْ عَلِيِّ بْنِ حَنْظَلَةَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ ع يَقُولُ اعْرِفُوا مَنَازِلَ النَّاسِ عَلَى قَدْرِ رِوَايَتِهِمْ عَنَّا.)) علی بن حنظلہ کہتے ہیں: میں نے امام صادقؑ سے سنا: لوگوں کی قدر و منزلت کو ان روایات کی تعداد کے ذریعے جانو جو وہ ہم سے نقل کرتے ہیں۔[1]

اس کے باوجود بعض افراد نے اس قاعدے کو قبول نہیں کیا اور اس پر نقد بھی کی ہے۔[2]

نمونہ:

اس قاعدے کے استعمال کا نمونہ یہ ہے: شیخ انصاری باب الصلاۃ کی ایک حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں: اس سند میں کوئی ایسا نہیں جس کی قدح ہوئی ہو سوائے سہل بن زیاد کے؛ لیکن سہل کا امر سہل ہے؛ کیونکہ وہ بہت زیادہ احادیث نقل کرتا ہے اور یہ خود توثیق کی علامت ہے۔[3]

---

[1] الکافی: ج۱، ص۵۰.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۷۵.

[3] الرسائل: ج۱، ص۱۴۳؛ اس حدیث کی تحقیق و نقد کے لیے دیکھیے: معجم رجال الحدیث: ج۱۳، ص۲۸.

د) راوی کا شیخ صدوق کے مشائخ میں سے ہونا

اگر راوی شیخ صدوق کے مشائخ میں سے ہو تو یہ اس کی توثیق کی علامت ہے۔ بہت سے علماء اس بات کے معتقد ہیں کہ شیخ صدوق کے تمام مشائخ ثقہ ہیں اور شیخ کا ان سے حدیث کو نقل کرنا توثیق کی دلیل ہے۔[1] بعض اس سے بھی آگے بڑھ کر اعتقاد رکھتے ہیں کہ نہ فقط یہ کہ شیخ صدوق کے مشائخ ثقہ ہیں بلکہ من لا یحضرہ الفقیہ کی اسناد میں واقع تمام راوی ثقہ ہیں۔[2]

آیت اللہ خوئی نے اس قاعدے کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے: شیخ صدوق کا استاد ہونا راوی کی توثیق پر دلالت نہیں کرتا... کیونکہ شیخ صدوق کے مشائخ میں ایسے افراد بھی ملتے ہیں جو ناصبی عنید ہیں اور صدوق اس بات کے ملتزم بھی نہیں ہوئے کہ غیر ثقہ سے نقل نہ کریں۔[3]

ھ) سلسلہ سند میں موجود راوی کے لیے دعائے خیر کرنا

علمائے بزرگ حدیث کا یہ شیوہ ہے کہ جب وہ سلسلہ سند میں راویوں کے نام لکھتے ہیں تو

---

[1] شہید ثانی، مسالک الافہام: ج۲، ص۲۳؛ محمد صالح برغانی، غنیمۃ المعاد: ج۳، ص۱۳۷؛ مدارک الاحکام: ج۶، ص۷۴.

[2] محمد باقر سبزواری، ذخیرۃ المعاد: ص۵و۳۰؛ وسائل الشیعۃ: ج۱، ص۶۷.

[3] التنقیح: ج۱، ص۷۰و۱۴۳؛ الحدائق الناضرۃ: ج۶، ص۹۴.

ان میں سے بعض کے نام کے ساتھ دعائے کلمات جیسے ((رضی اللہ عنہ)) یا ((رحمۃ اللہ علیہ)) استعمال کرتے ہیں۔ بعض علماء کا ماننا ہے کہ اکابرین حدیث کا راویوں سے متعلق ترحم و ترضی کی نسبت دینے سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ برجستہ شخصیات تھیں اور کلینی و صدوق کی نظر میں مکان و جلالت کی حامل تھیں۔[1]

آیت اللہ خوئی نے شدت کے ساتھ اس قاعدے کی مخالفت کی، ان کا کہنا تھا کہ ترحم و طلب رحمت تمام مومنین کے حق میں مستحب ہے۔[2]

و) کامل الزیارات اور تفسیر قمی کے راویان سلسلہ سند میں سے ہونا

آیت اللہ خوئی اس بات کے معتقد تھے کہ اگر کوئی راوی تفسیر علی بن ابراہیم قمی اور کامل الزیارات کے سلسلہ اسناد میں واقع ہو تو وہ موثق ہوگا، کیونکہ ان دونوں کتابوں کے مؤلفین نے ان کتابوں کے مقدمے میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان روایات کے سلسلہ اسناد میں ضعیف راوی موجود نہیں۔[3]

علی بن ابراہیم قمی اپنی تفسیر کے مقدمے میں راقم ہیں: ((نحن ذاکرون و مخبرون بما ینتھی الینا و رواہ مشایخنا و ثقاتنا عن الذین فرض اللہ طاعتھم))اور ہم نے اس

[1] محسن اعرجی کاظمی، عدۃ الرجال: ص ۱۳۴؛ غنیمۃ المعاد: ج ۳، ص ۱۳۷.

[2] معجم الرجال الحدیث: ج ۱، ص ۷۸.

[3] معجم رجال الحدیث: ج ۱، ص ۵۱.

کتاب میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جو ہم تک پہنچی ہیں اور جنہیں ہمارے ثقہ افراد اور مشائخ نے معصومینؑ سے نقل کیا ہے۔[1]

ایسے صاحب کامل الزیارات ابن قولویہ لکھتے ہیں: ((... ما وقع لنا من جھۃ الثقات من اصحابنا رحمھم اللہ برحمتہ و لا اخرجت فیہ حدیثا روی عن الشذاذ من الرجال...)) ہمارے لیے کوئی چیز واقع نہیں ہوئی مگر اسے ہم نے اپنے اصحاب میں سے ثقہ افراد کے ذریعے سے نقل کیا ہے کہ ان سب پر خدا اپنی رحمت کے وسیلے سے رحم فرمائے اور اس میں کوئی حدیث بھی نقل نہیں کی گئی جو شاذ افراد سے نقل کی گئی ہو۔[2]

ان سب باتوں کے باوجود مذکورہ کتاب میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آدھی سے زیادہ روایات میں وہ صفات موجود نہیں جن کا مؤلف نے دعویٰ کیا ہے، ان میں سے بعض مرسل، مرفوع اور مقطوع ہیں اور ایسی روایات بھی مل جاتی ہیں جو معصوم پر منتہی نہیں ہوتیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ ابن قولویہ کے راویوں کے ثقہ ہونے سے مراد فقط ان کے مشائخ ہیں۔[3]

[1] تفسیر قمی: ج ۱، ص ۳۰.

[2] کامل الزیارات: ص ۱۵.

[3] تقی قمی، مبانی منہاج الصالحین: ج ۱۰، ص ۱۹۲؛ علامہ مجلسی، الوجیزۃ فی علم الرجال: ص ۴۴.

ی) راوی کا ان افراد میں سے ہونا جن کی روایات پر عمل کرنے پر اتفاق ہو

اس قاعدے کی اصل شیخ طوسی کی کتاب العدۃ فی اصول الفقہ کی جانب پلٹتی ہے۔ ان کا یہ ماننا ہے کہ علماء چند افراد کی روایات پر عمل کرنے کے سلسلے میں اتفاق رکھتے ہیں جیسے کہ سکونی۔[1] بعض محققین کا کہنا ہے: بعید نہیں ہے کہ اصحاب نے سکونی کی روایات پر عمل کیا ہو اور چونکہ بہت سے سلسلہ اسناد میں نوفلی بھی موجود ہے، لہذا انہوں نے نوفلی کی روایت پر بھی عمل کیا ہے اور یہ خود توثیق پر دلیل ہے۔[2]

ک) کسی راوی کا کافی یا من لا یحضرہ الفقیہ کے سلسلہ سند میں واقع ہونا

بعض علمائے حدیث کا یہ ماننا ہے کہ شیخ کلینی و صدوق کا بعض ایسے راویوں سے حدیث نقل کرنا جن سے انہوں نے کثیر مقدار میں احادیث نقل کی ہیں ان کی توثیق پر دال ہے۔[3]

انہوں نے اس قاعدے کے تحت بعض راویوں کے ضعف کو اَن دیکھا کیا ہے۔[1] اس کے باوجود یہ قاعدہ اکثر فقہاء کے یہاں صحیح نہیں[2] ہرچند کہ بعض علماء کے یہاں شیخ کلینی کا کسی راوی سے کثرت کے ساتھ نقل کرنا اس کی توثیق کی دلیل شمار ہوتا ہے۔[3]

---

[1] العدۃ: ج۱، ص۱۵۰.

[2] منتہی المقال: ج۲، ص۴۴.

[3] منتہی المقال: ج۱، ص۹۲.

ل) قمیوں کا کسی راوی سے روایت کرنا

قمیوں سے منظور وہ ہیں جو نقل روایت میں بہت دقت کرتے تھے۔ اس وجہ سے ان کا کسی راوی سے روایت نقل کرنا اس کی توثیق شمار ہوتا ہے۔ ان میں سے جن کا خصوصیت سے نام لیا جاسکتا ہے وہ ابراہیم بن ہاشم، احمد بن محمد بن عیسیٰ اور ابن ولید ہیں۔[4]

علامہ وحید بہبہانی نقل کرتے ہیں: ہمارے پاس حق المارّ کے بارے میں صحیح روایت موجود ہے جسے کلینی نے الکافی میں نقل کیا ہے اور اس کے سلسلہ سند میں اسماعیل بن مرّار موجود ہے اور وہ قمیوں کے یہاں مقبول الحدیث ہے، چاہے وہ کسی غیر عادل سے ہی حدیث نقل کرے۔[5]

دوسرے بزرگان جیسے شیخ مرتضی کی بھی یہی نظر تھی اور وہ اس قاعدے کو قبول کرتے تھے۔[6]

---

[1] محمد باقر بہبہانی، الحاشیۃ علی مجمع الفائدۃ و البرہان: ص۲۴۷ و۳۲۷.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۲۲.

[3] جامع المدارک: ج۷، ص۲۷۹.

[4] منتہی المقال: ج۱، ص۹۱.

[5] الحاشیۃ علی مجمع الفائدۃ و البرہان: ص۲۴۷.

[6] میر داماد، الرواشح السماویہ: ص۴۹.

م) راوی کا آل ابی جہم، آل نعیم ازدی اور آل ابی شعبہ میں سے ہونا،

ابو علی حائری نے منذر بن محمد اور سعید بن ابی جہم جیسے راویوں کی آل ابی جہم میں سے اور بکر بن محمد، جعفر بن مثنی اور مثنی بن عبد السلام جیسے راویوں کی آل نعیم ازدی اور عمر بن ابی شعبہ کی آل ابی شعبہ میں سے ہونے کی وجہ سے توثیق کی ہے۔[1] ویسے ہی جیسے نجاشی نے بھی تصریح کی ہے کہ آل ابی شعبہ کوفے میں مشہور و معروف شیعہ خاندان تھا۔[2]

ن) اصحاب اجماع کشی

توثیقات عامہ میں سے ایک اور قاعدہ اجماع ہے۔ یہ قاعدہ شیخ کشی نے بیان کیا ہے۔ انہوں نے ان افراد کا نام لیا ہے کہ ایک راوی کا ان کے سلسلہ سند میں موجود ہونا ان کی توثیق پر دلالت کرتا ہے۔ یہ افراد اصحاب اجماع کے نام سے مشہور ہیں اور ہم آگے چل کے ان کی جانب اشارہ کریںگے۔ محدثین و فقہائے امامیہ نے اس قاعدے سے مختلف معنی لیے ہیں جنہیں ہم تین دیدگاہوں میں خلاصہ کر سکتے ہیں:

۱۔ نقل اصحاب اجماع سے مراد ان کی روایات کی تصحیح و تصدیق ہے۔ اس بنا پر اگر کسی

[1] معجم رجال الحدیث: ج۱۳، ص ۱۴.

[2] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص ۵۱؛ رجال النجاشی: ص ۲۳۰ و ۶۱۲؛ مقباس الہدایۃ: ج۲، ص ۲۸۵.

حدیث کی سند اصحاب اجماع تک صحیح ہو تو اس کے بعد اس کی جانب توجہ نہیں کی جائے گی، ہر چند اس میں ضعف ہی کیوں نہ پایا جاتا ہو، پھر چاہے یہ ضعف راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ہو یا ان سے آگے سند میں قطع یا ارسال موجود ہونے کی وجہ سے۔[1] حقیقت میں یہ صحت وہی صحت قدمائی ہے۔

۲۔ اس توثیق سے مراد اصحاب اجماع کی توثیق کے ساتھ ساتھ ان سب کی بھی توثیق ہے جن سے انہوں نے روایات نقل کی ہیں۔ اس اجماع سے یہ مراد لینا دراصل متاخرین کی نگاہ سے صحت متعارف کا بیانگر ہے؛ یعنی وہ حدیث جس کے تمام راوی ثقہ ہوں۔[2]

۳۔ یہ قاعدہ فقط اصحاب اجماع کی توثیق بیان کرتا ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ بعض متاخرین جن میں سید خوئی اور امام خمینی بھی ہیں نے اس نظر کو منتخب کیا ہے۔[3]

سزاوار ہے کہ ہم کشی کی عبارت نقل کریں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اصحاب اجماع کون ہیں۔ کشی نے اصحاب اجماع کے بارے میں اپنی کتاب کے اندر تین جگہ ذکر کرتے ہوئے بعض راویوں اور اصحاب آئمہ کا ذکر کیا ہے۔ کشی کی یہ تعبیر ((أجمعت العصابة على تصديق هؤلاء)) کتب حدیثی اور فقہی میں مشہور ہوئی اور اس قاعدہ اجماع کی بیانگر قرار پائی۔

[1] محمد حسین اصفہانی، نہایۃ الدرایۃ: ج۶، ص ۳۱۶.

[2] ایضاً.

[3] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص ۵۷؛ الطہارۃ: ج۳، ص ۲۴۲.

اول: اصحاب امام محمد باقرؑ

کشی نے ایک عبارت میں امام باقرؑ کے بعض اصحاب کو اصحاب اجماع شمار کیا ہے: أجمعت العصابة على تصديق هؤلاء الأولين من أصحاب أبي جعفر، وأبي عبدالله عليهما السلام وانقادوا لهم بالفقه، فقالوا :أفقه الأولين ستة :زرارة، ومعروف بن خربوذ، وبريد، وأبو بصير الأسدي، والفضيل بن يسار، ومحمد بن مسلم الطائفي. قالوا :وأفقه الستة زرارة. وقال بعضهم :مكان أبي بصير الأسدي :أبو بصير المرادي، وهو ليث بن البختري۔ ہمارے علماء کا امام باقر و صادق علیہما السلام کے ان چھ اصحاب کی تصدیق و صداقت پر اجماع ہے اور وہ فقہ میں ان کے مطیع و تسلیم ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان میں سے فقیہ ترین یہ چھ افراد ہیں:

زرارہ، معروف بن خربوذ، برید، ابو بصیر اسدی، فضیل بن یسار اور محمد بن مسلم طائفی۔ ان چھ میں سے زرارہ

فقیہ ترین شخص ہیں۔[1]

دوم: اصحاب امام صادقؑ

کشی نے ایک عبارت میں ان اصحاب کے علاوہ جو امامین باقر و صادقؑ کے مشترکہ صحابی تھے، چھ اور اصحاب کا ذکر بھی کیا ہے جو امام صادقؑ کے صحابی تھے۔ کشی نے انہیں بھی اصحاب

[1] اختيار معرفة الرجال: ص۲۰۶.

اجماعؑ میں شمار کیا ہے: بعض نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرادی جو کہ لیث بن بختری ہی ہیں کو شامل کیا ہے۔ أجمعت العصابة على تصحيح ما يصح عن هؤلاء، وتصديقهم لما يقولون، وأقروا لهم بالفقه من دون أولئك الستة الذين عددناهم وسميناهم، ستة نفر: جميل بن دراج، وعبد الله بن مسكان، وعبد الله بن بكير، وحماد بن عيسى، وحماد بن عثمان، وأبان بن عثمان. قالوا :وزعم أبو إسحاق الفقيه – يعني ثعلبة بن ميمون – أن أفقه هؤلاء جميل بن دراج، وهم أحدث أصحاب أبي عبد الله۔ علمائے امامیہ کی جماعت کا ان کی راویات کے صحیح ہونے اور ان کی صداقت گفتار پر اتفاق نظر ہے اور وہ ان کے فقیہ ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ یہ افراد ان چھ افراد کے علاوہ ہیں جن کا نام ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں: جمیل بن دراج، عبداللہ بن مسکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عیسی، حماد بن عثمان، ابان بن عثمان۔ ابو اسحاق فقیہ (ثعلبہ بن میمون) نے ان چھ افراد میں سے فقیہ ترین جمیل بن دراج کو لکھا ہے۔[1]

سوم: اصحاب امام موسی کاظمؑ و امام رضاؑ

کشی نے اپنی آخری عبارت میں اصحاب اجماع میں سے ان افراد کی جانب اشارہ کیا ہے جو امامین کاظم و رضاؑ کے اصحاب میں سے تھے: أجمع أصحابنا على تصحيح ما يصح عن هؤلاء.

[1] ایضاً: ص ۳۲۴.

وتصديقهم، وأقروا لهم بالفقه والعلم، وهم ستة نفر أخر، دون الستة نفر الذين ذكرناهم في أصحاب أبي عبد الله عليه‌السلام. منهم :يونس بن عبد الرحمن، وصفوان بن يحيى بياع السابري، ومحمد بن أبي عمير، وعبد الله بن المغيرة، والحسن بن محبوب، وأحمد بن محمد بن أبي نصر. وقال بعضهم :مكان الحسن بن محبوب، الحسن بن علي بن فضال، وفضالة بن أيوب. وقال بعضهم :مكان فضالة، عثمان بن عيسى. وأفقه هؤلاء يونس بن عبد الرحمن، وصفوان بن يحيى۔ ہمارے اصحاب و بزرگان نے ان اصحاب کو صحیح جاننے اور ان کی تصدیق کرنے پر اجماع کیا ہے، وہ ان کے علم اور فقہ کا اقرار کرتے ہیں۔ یہ امام صادقؑ کے اصحاب کے علاوہ چھ افراد ہیں کہ جن کے نام یہ ہیں: یونس بن عبدالرحمن، صفوان بن بیاع سابری، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی۔ بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال اور فضالہ بن ایوب کو لکھا ہے اور بعض نے فضالہ کی جگہ عثمان بن عیسی کو شمار کیا ہے۔ ان میں سے یونس بن عبدالرحمن اور صفوان بن یحیی فقیہ تر ہیں۔[1]

ان تمام تر تفصیلات کے باوجود بھی بعض ایسے فقہاء موجود ہیں جنہوں نے کشی کے قاعدے اجماع کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ ابان بن عثمان اور عبداللہ بن بکیر جیسے اصحاب کو

[1] ایضاً: ص ۳۶۱.

ناووسیہ اور فطحیہ جیسے اعتقادات کی وجہ سے رد کیا ہے۔[1]

س) راوی کا صاحب اصل، کتاب یا مصنف ہونا

علامہ مجلسی کا یہ ماننا تھا کہ اگر راوی اصل کا حامل ہو، تو یہ امر اس کی وثاقت یا کم از کم مدح پر دلالت کرتا ہے۔[2] علامہ بحر العلوم نے بھی زید نرسی کی توثیق کے ادلہ میں اس امر کا ذکر کیا ہے۔[3] البتہ باقی تمام علماء جن میں سید خوئی اور امام خمینی بھی شامل ہیں کا یہ ماننا ہے کہ صاحب اصل ہونا وثاقت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔[4] دوسرے فقہاء بھی اصل زید نرسی سے روایت نقل کرتے وقت اس امر پر معترض ہوئے ہیں۔[5]

۴۔ قدح و جرح

جس طرح راویوں کی توثیقات خاص الفاظ اور اصطلاحات کے ذریعے سے بیان ہوتی ہیں،

[1] شہید ثانی، مسالک الافہام: ج۹، ص۱۲۷؛ فخر المحققین، ایضاح الفوائد: ج۳، ص۲۹۱ و ۵۰۰.

[2] مرآۃ العقول: ج۱، ص۱۰۸ و ج۱۰، ص۱۳۴؛ نیز دیکھیے: محمد جواد عاملی، مفتاح الکرامۃ: ج۱۰، ص ۳۶۲.

[3] الفوائد الرجالیۃ: ج۲، ص۳۶۰.

[4] معجم رجال الحدیث: ج۱، ص۷۸؛ الطہارۃ: ج۳، ص۲۵۸.

[5] جواہر الکلام: ج۶، ص۳۵؛ مستمسک العروۃ الوثقی: ج۱، ص۴۲۵؛ محمد تقی آملی، مصباح الہدیٰ: ج۱، ص۴۲۸؛ باقر الصدر، بحوث فی العروۃ الوثقی: ج۳، ص۴۱۷.

ایسے ہی ان کا عدم ضعف و توثیق بھی اصطلاحات کے قالب میں بیان ہوتا ہے۔ ان الفاظ و اصطلاحات کو الفاظ قدح و جرح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لغت میں ((جرح)) کا مطلب زخمی کرنا ہے اور ((قدح)) بھی ایسے ہی مفہوم کو ادا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے: ((قدح فی نفسہ)) اس کی شخصیت کو زخمی کر دیا۔[1]

حدیث و راوی پر جرح و قدح کرنے کے معنی ان میں عیب نکالنا اور انہیں ضعیف شمار کرنا ہے، اور یہ لفظی معنی سے استعارتاً ان معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔[2]

الفاظ جرح و قدح

بیس سے کچھ زیادہ الفاظ بلکہ بہتر ہے کہ اصطلاح کہا جائے، قدح و جرح کے لیے موجود ہیں۔[3] جنہیں ہم اس فصل کے آخر میں بیان کرینگے۔ البتہ اس بات کا ذکر لازم ہے کہ بعض علمائے حدیث کے مطابق ان اصطلاحات میں سے کچھ حدیث یا راوی کے ضعف کو بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

---

[1] عبدالحمید محی الدین، مختار الصحاح: ص ۴۱۲.

[2] محمود بن عمر زمخشری، اساس البلاغہ: ص ۵۵.

[3] دیکھیے: الرعایۃ: ص ۲۰۹؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۴۳۱؛ اصول الحدیث: ص ۱۲۹؛ درایۃ الحدیث: ص ۱۱۰.

اول: مضطرب الحدیث

بعض علمائے حدیث اس اصطلاح کو راوی کے ضعف کا بیانگر سمجھتے ہیں۔[1] البتہ بعض علماء جن میں سید خوئی بھی شامل ہیں کا ماننا ہے کہ یہ تعبیر راوی اور روایت کے ضعف پر دال نہیں بلکہ اضطراب روایات سے مراد راوی کی روایات کا اختلاف ہے اس صورت میں کہ ہر ایک کے لیے روایت کے مدلول کو اخذ کرنا دشوار کر دیتا ہے، اور یہ اضطراب نقل و حکایت میں نہیں ہے جو راوی کی وثاقت کو زیر سوال لائے۔[2]

دوم: ضعیف

یہ لفظ دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے:

۱۔ مطلق اور بنا کسی مضاف الیہ کے؛

۲۔ مضاف الیہ کے ساتھ بصورت ضعیف الحدیث.

علامہ صدر اس بارے میں راقم ہیں: اگر ضعیف بنا کسی قید کے ذکر ہو تو یہ قدح پر دال ہے لیکن اگر مضاف الیہ کے ساتھ ذکر ہو تو یہ قدح پر دلالت نہیں کرتا۔[3]

---

[1] الرواشح السماویۃ: ص ۶۰؛ الرعایۃ: ص ۲۰۹؛ منتہی المقال: ج ۱، ص ۱۱۵.

[2] معجم رجال الحدیث: ج ۱۶، ص ۲۵۶؛ نیز دیکھیے: نہایۃ الدرایۃ: ص ۴۳۳.

[3] نہایۃ الدرایۃ: ص ۴۳۱؛ نیز دیکھیے: مدارک الاحکام: ج ۱، ص ۵۰؛ الفوائد الرجالیۃ: ج ۱، ص ۳۴۷.

سوم: غالِ

یہ لفظ قدح پر دال ہے اور یہاں اس سے مراد دین میں غلو کرنے والے کے ہیں۔ اس لفظ کے متبادل دوسری تعبیرات بھی ہیں؛ جیسے: ((فی المذہب ارتفاع، مرتفعُ القول، وکان من الطیارۃ))۔ [1]

چہارم: کذوب

یہ لفظ صیغہ مبالغہ ہے جس کے معنی جھوٹ بولنے والے کے ہیں اور یہ قدح راوی پر دلالت کرتا ہے۔ اس لفظ کے مترادف عبارات بھی موجود ہیں: ((وضاع، فاسد المذہب، فاسد العقیدۃ))۔ [2]

پنجم: مُخلّط

یہ لفظ مفعولی صورت میں دو طرح سے استعمال ہوتا ہے اور قدح کا بیان کرنے والا ہے۔ کبھی اسے بصورت مطلق لایا جاتا ہے جو ((مخلط فی نفسہ و اعتقادہ)) کے معنی میں ہے؛ یعنی اس کا اعتقاد اور مذہب نادرست تھا، اور ایسے افراد کی روایات سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ [3]

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۳.

[2] نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۶؛ الوجیزۃ: ص۴۷.

[3] روایت کے لیے دیکھیے: تہذیب الاحکام: ج۳، ص۲۸؛ اس روایت میں امام لفظ مخلط کو انہی معنی میں بصورت مطلق استعمال کرتے ہیں اور اسے لفظ ((عدو)) سے یاد کرتے ہیں ((مخلط و عدوٌ)).

لیکن بعض اوقات یہ راوی کے لیے بصورت ((مخلط فیما یروی)) یا ((مخلط فیما یسندہ)) استعمال ہوتا ہے، جس کے ظاہری معنی مخلط در حدیث کے ہیں نہ مخلط در اعتقادات و دین۔ [1]

ششم: متہم

گرچہ علمائے متقدمین جیسے شیخ بہائی نے اس لفظ کو راوی کے لیے الفاظ قدح میں شمار کیا ہے، لیکن علمائے معاصر نے قطعی طور پر اس قسم کے راویوں کے بارے میں حکم نہیں لگایا اور ان کے بارے میں تامل کا مظاہرہ کیا ہے۔ شہید صدر کہتے ہیں: متہم سے مراد، کذب یا غلو یا اس قسم کی دوسری چیزوں سے متہم کرنا۔ لیکن لازم ہے کہ راوی کے مسلک اور اس کی خصوصیات کے بارے میں تامل سے کام لیا جائے، کیونکہ قدمائے امامیہ فروع کی طرح اصول میں بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ایسا ہوتا تھا کہ ان کی نظر میں بعض اعتقادات کفر، غلو، تفویض، جبر، تشبیہ اور انہی کے مانند دوسرے امور شمار کیے جاتے تھے جبکہ متاخر زمانے میں ایسا نہیں ہے بلکہ بعض کے مطابق تو ان پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اس بنا پر لازم ہے کہ قدماء کی جرح کی تحقیق کرتے وقت ان امور کی جانب توجہ رکھی جائے۔ [2]

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۶.

[2] دیکھیے: نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۵؛ الفوائد الرجالیہ: ص۳۷.

ہفتم: **لیس بشیء**

یہ تعبیرات قدح میں سے ہے البتہ علامہ صدر ایسا اعتقاد نہیں رکھتے ان کے مطابق ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ تعبیر کبھی نفی مرتبہ کے لیے استعمال ہوئی ہو ان معنی میں کہ راوی کوئی مقام و منزلت نہیں رکھتا۔ اس مفہوم کو اسی سے ملتی جلتی دوسری تعبیرات بھی ذہن تک پہنچاتی ہیں جو عبارت ہیں: ((**لیس بذالک البعید، لیس بذلک الثقۃ، لیس بذلک الوجہ**))۔[1]

ہو سکتا ہے کہ شہید صدر کا لیس بذلک جیسی تعبیر میں درجات کا قائل ہونا بعض جگہ پر قابل قبول بھی ہو، لیکن بے شک لیس بشیء کی تعبیر قدح راوی و روایت پر دال ہے۔

ہشتم: **یروی عن الضعفاء ، لایبالی عمّن اخذہ، یعتمد المراسیل**

یہ تینوں تعبیرات مستقل موضوعات کی بیانگر ہیں۔ پہلی تعبیر کا مطلب یہ ہے کہ راوی ان ضعیف راویوں سے روایت نقل کرتا ہے جن کے ضعف میں کوئی شک نہیں ہے۔ دوسری تعبیر اس بات کی بیانگر ہے کہ راوی اس بات کو اہمیت نہیں دیتا کہ حدیث کس شخص سے لینی چاہیے۔ تیسری تعبیر سے یہ مراد ہے کہ راوی مرسل روایات پر عمل کرتا ہے اور ایسی روایات اس کی نظر میں معتبر ہیں۔ البتہ لازم بذکر ہے کہ یہ تینوں روایات بطور صریح راوی کی

---

[1] نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۶.

قدح پر دلالت نہیں کرتیں۔[1]

قدح روایت کے لیے اس کے علاوہ کچھ اور بھی اصطلاحات ذکر کی گئی ہیں کہ ان میں سے کوئی ایک بھی آسانی سے راوی یا روایت کی قدح پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ تعبیرات عبارت ہیں: ((**حدیثہ ینکر و یعرف، لیس بنقی الحدیث، لم یکن بذلک، لیس بکل التثبّت فی الحدیث**))۔[2]

---

[1] ایضاً؛ نیز دیکھیے: منتہی المقال: ج۱، ص۳۱۹؛ الفوائد الرجالیہ: ج۱، ص ۳۳۲تا۳۳۸؛ جامع الرواۃ: ج۱، ص۲۳.

[2] نہایۃ الدرایۃ: ص۴۳۶.

تتمہ

از مترجم

[تتمہ: نمبر ۱]

القاب معصومینؑ

کتب روائی میں بعض اوقات معصومینؑ سے حدیث نقل کرتے ہوئے خاص القاب ذکر کیے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کتب میں مستعمل القابات کو مختصراً بیان کرتے ہیں:

ابو القاسم: اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام زمانہؑ ہیں اور اگر یہ بطور مطلق آئے تو اس سے مراد بقیۃ اللہ امام مہدیؑ ہیں۔

امیر المومنینؑ: یہ امام علیؑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ابو جعفرؑ: بصورت مطلق یا ((ابو جعفر اول)) کی قید کے ساتھ اگر ذکر ہو تو اس سے مراد امام محمد باقرؑ ہوں گے، لیکن اگر ((ابو جعفر ثانی)) کی قید کے ساتھ آئے تو اس سے مراد امام محمد تقی الجوادؑ ہوں گے۔

ابو عبد اللہؑ: اس سے مراد امام حسینؑ اور امام جعفر صادقؑ ہیں لیکن بیشتر موارد میں محدثین کے درمیان مقصود امام صادقؑ ہوتے ہیں۔

ابوالحسنؑ: ابوالحسن سے بیشتر موارد میں اول کی قید کے ساتھ، یا بصورت مطلق یا الماضی کی قید کے ساتھ امام موسیٰ کاظمؑ مراد ہونگے، اگر یہ مقید بہ ((ابوالحسن الرضا، یا ثانی)) ہو تو اس سے مراد امام علی رضاؑ ہونگے اور اگر مقید بہ ((ابوالحسن ثالث)) ہو تو اس سے مراد امام علی نقی الہادیؑ ہونگے۔ البتہ بعض موارد میں امام نقیؑ کے لیے بھی بصورت مطلق استعمال ہوا ہے۔

ابوابراہیمؑ: یہ امام موسی کاظمؑ سے مخصوص ہے۔ ایسے ہی ان کے لیے ((عبد الصالح، شیخ اور عالم)) جیسے القاب بھی استعمال ہوئے ہیں۔

ابو محمدؑ: یہ تین اماموں کی کنیت ہے: امام حسنؑ، امام حسن عسکریؑ اور امام زین العابدینؑ، لیکن روایات میں یہ امام حسن عسکریؑ کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

ابواسحاقؑ: یہ امام صادقؑ سے مختص ہے۔

فقیہ: یہ امام صادقؑ، امام عسکریؑ اور امام مہدیؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

عالم: یہ امام صادقؑ کے لیے استعمال ہوا ہے۔

نقی، ماضی، صاحب العسکر اور رجل: امام حسن عسکریؑ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

صاحب، صاحب الدار، صاحب الناحیہ، غائب، علیل اور غریم: امام زمانہؑ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

احدھما: یہ امام صادقؑ یا امام باقرؑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

کاظمین: یہ امامین کاظمؑ و تقیؑ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

عسکرین: امامین نقیؑ و عسکریؑ کے لیے مستعمل ہے۔[1]

القاب غیر معصومین

محدثین میں کچھ ایسی اصطلاحات بھی رائج ہیں جو غیر معصومین سے متعلق ہیں؛ جیسے:

محمدون ثلاث: اگر یہ ((اول)) کی قید کے ساتھ ہوں تو ان سے مراد کتب اربعہ کے مؤلفین ہیں:

۱۔ محمد بن یعقوب الکلینی (م ۳۲۸ھ) صاحب الکافی.

۲۔ محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی (م ۳۸۱ھ) صاحب من لا یحضره الفقیہ.

۳۔ محمد بن حسن الطوسی (م ۴۶۰ھ) صاحب تہذیب الاحکام و الاستبصار.

اگر محمدون ((آخر)) کی قید کے ساتھ آئے تو اس سے مراد جوامع ثانویہ کے مؤلفین ہیں:

۱۔ محمد محسن، ملقب بہ فیض کاشانی، (م ۱۰۹۱ھ) صاحب الوافی.

۲۔ محمد بن حسن حر العاملی (م ۱۱۰۴ھ) صاحب وسائل الشیعۃ.

۳۔ محمد باقر بن محمد تقی المجلسی (م ۱۱۱۱ھ) صاحب بحار الانوار.[2]

[1] تقی مجلسی، روضۃ المتقین: ج ۱۴، ص ۵۰۱؛ تلخیص مقباس الہدایۃ: ص ۲۷۴.

[2] تلخیص مقباس الہدایۃ: ص ۳۴۲ و ۲۷۳.

نواب اربعہ: اس سے مراد امام زمانہؑ کے وہ خاص اصحاب مراد ہیں جو زمانہ غیبت صغریٰ میں لوگوں اور امام کے درمیان واسطہ تھے اور انہوں نے بہت سے مطالب امام سے نقل فرمائے؛ یہ تعبیر ہیں:

۱۔ ابو عمر، عثمان بن سعید عمروی.

۲۔ ابو جعفر محمد بن عثمان عمروی.

۳۔ ابو القاسم حسین بن روح نوبختی.

۴۔ علی بن محمد سمری.

صدوق: اس سے مراد صاحب من لا یحضرہ الفقیہ ہوتے ہیں۔ اگر اسے ((اول)) کی قید کے ساتھ ذکر کیا جائے تو اس سے مراد شیخ صدوق کے والد علی بن حسین ہوتے ہیں، اگر ((صدوقین)) آئے تو باپ بیٹا دونوں مراد ہوتے ہیں، اور ((ابن بابویہ)) سے مراد باپ ہوتے ہیں۔

شیخ: اس سے مراد شیخ طوسی ہوتے ہیں، انہی کے لیے ((شیخ الطائفہ)) کا لقب بھی استعمال ہوتا ہے۔

شیخین: سے مراد شیخ طوسی اور ان کے استاد شیخ مفید محمد بن نعمان ہوتے ہیں۔

شیوخ ثلاثہ: سے مراد شیخ طوسی، شیخ مفید اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ہوتے ہیں۔

شیوخ خمسہ: سے مراد ابن بابویہ، شیخ صدوق، شیخ مفید، شیخ طوسی اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ ہوتے ہیں۔[1]

[تتمہ: نمبر ۲]

نقل بہ معنی

محدثین کے درمیان دہرائے جانے والے مشہور سوالات میں سے ایک یہ تھا کہ کیا حدیث کو نقل بالمعنیٰ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس کے لیے اور کن شرائط کے ساتھ؟

جو چیز صحیح معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اگر راوی حدیث کے تمام الفاظ سے واقف نہ ہو لیکن اس کے مفہوم کو جانتا ہو اور معنی و مفاد حدیث کو اپنے الفاظ میں پہنچانا جانتا ہو تو وہ حدیث کو بالمعنیٰ نقل کر سکتا ہے اور یہ امر اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن وہ شخص جو امامؑ کے الفاظ کا مدلول نہ جانتا ہو اور ان کے مفہوم کو نہ پہنچا سکتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ روایت کو بالمعنی نقل کرے لہٰذا اس کے لیے لازم ہے کہ معصومؑ سے سنے ہوئے الفاظ پر ہی اکتفاء کرے۔

اصحاب کی سیرت و روش یہ تھی کہ وہ معصومینؑ سے اغلب موارد میں حدیث، متن مکتوب سے نہیں بلکہ حفظ کی بنا پر نقل کرتے تھے، اور کیونکہ وہ معنی پہچاننے پر قادر تھے اس لیے

[1] تلخیص مقباس الہدایۃ: ص ۲۷۳.

معصومینؑ نے انہیں اس امر سے نہی نہیں فرمائی۔ ہر زبان کا عرف عام بھی یہی کہتا ہے کہ اگر بولنے والا دوسرے کا کلام نقل کرتے ہوئے معنی پہنچانے کی قدرت رکھتا ہو تو یہ قابل قبول ہے۔ پھر چاہے الفاظ بدل بھی جائیں۔ اس سلسلے میں بعض روایات بھی وارد ہوئی ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحُسَيْنِ عَنِ ابْنِ أَبِي عُمَيْرٍ عَنِ ابْنِ أُذَيْنَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللَّهِ ع أَسْمَعُ الْحَدِيثَ مِنْكَ فَأَزِيدُ وَ أَنْقُصُ قَالَ إِنْ كُنْتَ تُرِيدُ مَعَانِيَهُ فَلَا بَأْسَ.

محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام صادقؑ سے کہا: میں آپ سے حدیث سنتا ہوں تو کیا اس میں (الفاظ) کی کمی یا زیادتی کر سکتا ہوں؟ امامؑ نے فرمایا: اگر تم اس کے معنی پالو تو کوئی مشکل نہیں۔[1]

جیسا کہ امام صادقؑ نے فرمایا: حدیث کے الفاظ میں کمی یا زیادتی اس وقت تک صحیح ہے جب تک معنی و مفہوم کے بدل جانے کا موجب نہ بنے؛ لیکن یہ بات معلوم ہے کہ اس قسم کی مہارت و قدرت فقط زبردست قسم کے محدثین و علماء میں ہی ہوتی ہے نہ کہ تمام افراد میں؛ اور ہمارے دور میں جبکہ تمام احادیث کتب روائی میں محفوظ و ضبط ہیں لازم ہے کہ انہیں دقت کے ساتھ اصل الفاظ میں ہی نقل کیا جائے۔ ایک اور نکتہ جسے بیان کرنا لازم ہے وہ یہ کہ نقل معنای مجاز، احادیث میں متعدد موارد میں اتفاق پذیر ہوا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات

---

[1] الکافی: ج۱، ص۵۱.

ادعیہ کو شامل نہیں؛ کیونکہ ان کے متن کی قرائت تعبدی تھی اور راوی اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ معصومینؑ سے اصل عبارات ماثورہ کو ہی نقل کریں۔[1]

[تتمہ: نمبر ۳]

عدۃ

((عدۃ)) کی اصطلاح زیادہ تر ((عدة من اصحابنا)) کی عبارت کے ساتھ ذکر ہوتی ہے۔ ان سے مراد مشائخ کا ایک گروہ ہے جن کے ذریعے سے راوی طبقات بالا سے حدیث نقل کرتا ہے؛ جیسے ((عدۃ کلینی)) کہ یہ ان کے مشائخ کی ایک جماعت ہے جن سے بعض موارد میں یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

کلینی عدۃ کی عبارت کے ذریعے تین افراد سے روایت نقل کرتے ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ اگر عدۃ ((احمد بن محمد بن عیسیٰ)) سے نقل ہو تو یہاں یہ مشائخ مراد ہونگے:

محمد بن یحیی العطار

علی بن موسیٰ

---

[1] دیکھیے: رضا مؤدب، درسنامه درایة الحدیث: ص ۲۲۶ تا ۲۲۸؛ الرعایة: ص ۳۱؛ مقباس الہدایة: ج۳، ص ۲۲۷ تا ۲۳۱.

داؤد بن کورۃ

احمد بن ادریس

علی بن ابراہیم قمی.

۲۔ اگر عدۃ ((احمد بن محمد بن خالد برقی)) سے نقل ہو تو مراد یہ افراد ہونگے :

علی بن ابراہیم

علی بن محمد بن عبداللہ بن اذینہ

احمد بن محمد بن امیہ

علی بن حسن

۳۔ اگر عدۃ ((سہل بن زیاد)) سے نقل ہو تو یہ افراد مراد ہونگے :

علی بن محمد بن علان

محمد بن ابی عبداللہ

محمد بن حسن

محمد بن عقیل الکلینی.[1]

البتہ کلینی ان تین افراد کے علاوہ بھی عدۃ کی عبارت کے بعد کچھ افراد کے توسط سے حدیث نقل کرتے ہیں لیکن وہ تعداد میں بہت ہی کم ہیں۔

---

[1] فیض کاشانی، الوافی: ج۱، ص ۳۳.

طبقہ

محدثین کی اصطلاحات میں اس گروہ یا جماعت کو طبقہ کہتے ہیں جو عمر اور استاد حدیث سے ملاقات اور اس کے درس میں حضور کے حوالے سے ہم سطح ہوں؛ جیسے: دو صحابی عبداللہ ابن مسعود اور ابی بن کعب، یا جیسے محمد بن مسلم اور زرارۃ۔

علم طبقات علوم حدیث کے ان جملہ علوم میں سے ہے جس کی مدد سے راویوں کے طبقات کی شناخت ممکن ہو پاتی ہے اور یہ حدیث میں تلبیس و تدلیس کے دور کرنے کا موجب بنتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دو راوی ایک اعتبار سے ایک طبقے میں اور دوسرے اعتبار سے دوسرے طبقے میں ہوں؛ جیسے انس بن مالک جو مصاحبت کے اعتبار سے اس طبقے میں ہے جسے اہلسنت عشرہ مبشرہ کہتے ہیں لیکن سن کے اعتبار سے بعد والے طبقے میں آتے ہیں۔

طبقات کی تشخیص، زمان ولادت، زمان وفات اور حدیث کے ناقلین سے نقل کرنے والے راویوں کے ذریعے سے ممکن ہے جو کہ ایک تخصصی امر ہے اور اس کے لیے تاریخ سے آشنائی لازم ہے۔ طبقات کے تعین کے حوالے سے بھی شیعہ محدثین و علمائے حدیث میں مختلف روشیں رائج ہیں۔ ہم یہاں پر علامہ تقی مجلسی کی مشیخۂ صدوق کی شرح میں بیان کی ہوئی روش کے مطابق طبقات کی ترتیب بیان کر رہے ہیں جو انہوں نے بارہ طبقوں میں تقسیم کی ہے:

طبقہ اول: شیخ طوسی، شیخ نجاشی...

طبقہ دوم: شیخ مفید، ابن غضائری...

طبقہ سوم: شیخ صدوق، احمد بن محمد بن عیسیٰ...

طبقہ چہارم: شیخ کلینی...

طبقہ پنجم: محمد بن یحییٰ، احمد بن ادریس، علی بن ابراہیم...

طبقہ ششم: احمد بن محمد بن عیسی، محمد بن عبد الجبار، احمد بن محمد بن خالد...

طبقہ ہفتم: حسین بن سعید، حسین بن وشاء...

طبقہ ہشتم: محمد بن ابی عمیر، صفوان بن یحییٰ، اصحاب امام موسی کاظمؑ...

طبقہ نہم: اصحاب امام صادقؑ.

طبقہ دہم: اصحاب امام باقرؑ.

طبقہ یازدہم: اصحاب امام زین العابدینؑ.

طبقہ دوازدہم: اصحاب امام حسینؑ و امام حسنؑ و امام علیؑ.[1]

تقطیع حدیث

حدیث سے مربوط مسائل میں سے ایک ((تقطیع متن)) بھی ہے۔ محدثین میں اس حوالے سے اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ بعض اسے جائز سمجھتے ہیں اور بعض اسے صحیح نہیں جانتے

[1] روضۃ المتقین: ج۱۴، ص ۳۲۳.

اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہر حدیث کو اس کے پورے متن سے ساتھ پیش کیا جانا چاہیے۔ البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض موارد میں تقطیع حدیث جائز ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب ایک حدیث متعدد موضوعات پر مشتمل ہو اور ہم اس کے ہر حصے کو بصورت مستقل نقل کر سکتے ہوں۔ البتہ اس کے لیے لازم ہے کہ پہلی بار مکمل حدیث نقل کی جائے اور اس کے بعد اسی کتاب میں ضرورت کے اعتبار سے تقطیع کر لی جائے اور جہاں جہاں تقطیع ہوئی ہو وہاں مکمل حدیث کا حوالہ دے دیا جائے تاکہ محقق کو اس کی طرف رجوع کرنے میں دقت نہ ہو۔

حدیث کا علم حاصل کرنے کے آداب

حدیث قرآن کے ہم پلہ ہے جس کا ہر مسلمان پر امکان کی صورت میں علم حاصل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ معصومؑ پیشواؤں کے کلام سے بہرہ مند ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے سیکھنے کے بھی آداب ہیں جنہیں ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں:

۱۔ نیت کو خالص خدا کے لیے رکھے اور دنیاوی اغراض کا نشانہ نہ بنے: امام صادقؑ فرماتے ہیں: جس کسی نے دنیا کی منفعتوں کو سمیٹنے کی خاطر حدیث سیکھنے کا ارادہ کیا تو اسے آخرت نصیب نہیں ہوگی۔[1]

[1] الکافی: ج۱، ص ۴۶.

۲۔ خدا سے دعا کرے کہ وہ اسے اس راہ میں کامیاب کرے اور اس راہ کو اس کے لیے آسان فرمادے۔

۳۔ اپنی تمام تر کوششوں کو کسب حدیث میں صرف کرے اور سستی نہ دکھائے۔

۴۔ طلب حدیث میں ((عالی السند)) احادیث کے لیے اہتمام کرے۔

۵۔ اہل حدیث سے روایات کے فہم کے سلسلے میں گفتگو کرے۔

۶۔ جو احادیث جانتا ہے ان پر عمل بھی کرے۔

۷۔ استاد کی تجلیل واحترام کرے۔

۸۔ جو کچھ بھی سیکھ چکا ہے اسے لکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے اقدام کرے۔

۹۔ جو کچھ سیکھ چکا ہے اس کی فہم ومعرفت کے لیے دقت سے کام لے۔

۱۰۔ علوم ادبیات کو احادیث کے صحیح فہم کے لیے ضرور سیکھے۔

[تتمہ: نمبر۴]

حدیث صحیح کی اقسام

حدیث صحیح، شرائط صحت اور مراتب کے اعتبار سے تین حصوں میں منقسم ہوتی ہے:

۱۔ صحیح اعلیٰ

وہ حدیث جس میں صحت کی شرائط راہ علم ویقین، یا دو عادل افراد کی شہادت سے حاصل

ہوں یا اس کے بعض موارد میں راہ یقین سے اور دوسرے موارد میں دو عادل افراد کی شہادت کے ذریعے سے حاصل ہوں۔[1]

۲۔ صحیح اوسط

وہ حدیث جس میں شرائط صحت ایک عادل فرد جو کہ مفید ظن ہے، سے حاصل ہوں، یا ان میں سے بعض اس راہ سے اور باقی صحیح اعلیٰ کے طریق سے ہوں۔[2]

۳۔ صحیح ادنیٰ

وہ حدیث جس میں شرائط صحت ظن اجتہادی کے ذریعے حاصل ہوں یا ان میں سے بعض اس طریق سے اور باقی صحیح اوسط واعلیٰ کے توسط سے حاصل ہوں۔[3]

[تتمہ: نمبر۵]

حسن کالصحیح

فاضل استر آبادی کا کہنا ہے کہ اگر حدیث حسن کے بعض راوی وثاقت اور بعض ایسی مدح کے حامل ہوں جو وثاقت کے برابر ہو تو اس حدیث کو ((حسن کالصحیح)) کہیں گے، یا اگر حدیث

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۱۵۵؛ اصول الحدیث: ص۵۲.

[2] ایضا.

[3] ایضا.

کے آغاز سند میں تمام راوی امامی اور موثق ہوں لیکن آخر سند میں امامی و ممدوح ہوں تو اس پر بھی ((حسن کالصحیح)) کا نام صادق آئے گا ، لیکن علامہ مامقانی اس اصطلاح کو فقط اس جگہ استعمال کرنا صحیح جانتے ہیں جہاں آغاز سند میں تمام راوی امامی و موثق ہوں، اس کے آخر کے بر خلاف۔[1]

[تتمہ: نمبر۶]

حدیث قوی

حدیث قوی کی اصطلاح متاخرین امامیہ کے درمیان رواج نہیں رکھتی۔ البتہ کچھ علماء نے اسے استعمال کیا ہے جیسے شہید اول، شہید ثانی اور شیخ بہائی وغیرہ۔ انہوں نے اسے اس حدیث کے لیے استعمال کیا ہے جس کے تمام راوی امامی ہوں لیکن حدیث حسن کی طرح، تمام مدح سے برخوردار نہ ہوں اور ان سب کے یا ان میں سے کچھ کے بارے میں ذم یا مدح وارد نہ ہوئی ہو۔ اس تعریف کی بنا پر قوی، حسن کے بعد اور موثق سے پہلے قرار پاتی ہے۔[2]

---

[1] مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۱۷۵.

[2] دیکھیے: مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۱۶۷؛ ذکری الشیعۃ فی احکام الشریعۃ: ج۱، ص۴۸؛ الرعایۃ: ص۸۵؛ نہایۃ الدرایۃ: ص۲۶۳؛ درایۃ الحدیث: ص۳۹.

البتہ بعض محدثین کے یہاں قوی کی اصطلاح حدیث موثق کے لیے بھی استعمال ہوئی ہے؛ جیسا کہ شہید اول نے قوی کی تعریف موثق کے بعد بیان کی ہے اور اس کے بارے میں کہتے ہیں: موثق... اور اسے قوی بھی کہتے ہیں۔ صاحب معالم کا بھی یہی کہنا ہے۔ سید حسن صدر بھی حدیث صحیح، حسن و قوی میں راوی کے امامی ہونے کو شرط جانتے ہیں۔ قوی کی اصطلاح محدثین کے درمیان شہرت نہ پا سکی لیکن فقہاء کے کلام میں استعمال ہوئی ہے جس کے معنی ((روایت معتبر)) کے ہیں۔[1]

[تتمہ: نمبر۷]

قدماء کے نزدیک صحیح کی تعریف

قدمائے امامیہ یعنی قرن ششم تک کے محدثین کے یہاں حدیث صحیح اس روایت کو کہتے تھے کہ جو قرائن صحت و حجیت کی حامل ہو اور ان قرینوں کی مدد سے اس حدیث پر اعتماد کیا جا سکتا ہو۔ اس بنا پر علمائے قدمائے امامیہ کی اصطلاح میں ہر وہ حدیث جو قرائن حجیت کی حامل نہ ہو غیر صحیح اور ضعیف اور ہر وہ حدیث جو ان کی حامل ہو وہ صحیح کہلاتی تھی۔

---

[1] دیکھیے: ذکری الشیعۃ: ج۱، ص۴۸؛ معالم الدین فی الاصول: ص۲۱۷؛ نہایۃ الدرایۃ: ص ۲۶۳.

ان قرائن کا کتاب کے متن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان مذکورہ قرائن کی تحصیل قدمائے امامیہ اور ان کے بعد والی نسلوں کے لیے تو ممکن تھی لیکن ہم اس دور میں ان سے بے بہرہ ہیں، لیکن قدمائے امامیہ کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف سمجھنا دوسرے محدثین کے یہاں محترم شمار کیا جا سکتا ہے، کیونکہ قدماء معصومینؑ کے دور سے نزدیک ہونے کی وجہ سے اہم اطلاعات رکھتے تھے جن کی وجہ سے وہ کسی حدیث کے صدور پر وثوق و اعتماد حاصل کر لیتے تھے اور حدیث کو صحیح یا قرائن کے نہ ہونے کی بنا پر ضعیف شمار کرتے تھے۔ لہذا اس بنا پر جو روایت ان کے یہاں صحیح شمار کی گئی ہے اسے اس دور میں بھی معتبر مانا جا سکتا ہے ہر چند کہ وہ متاخرین کی اصطلاح میں صحیح شمار نہیں ہو گی۔

متقدمین کے نزدیک کتب اربعہ اور ان کے علاوہ دوسری کتب میں موجود اخبار آحاد ان قرائن صحت کے موجود ہونے کی وجہ سے صحیح شمار ہوتے ہیں۔ قدماء کے درمیان صحیح وغیر صحیح کی اصطلاحات متن حدیث سے مربوط تھیں اور ان کا سند احادیث سے ربط نہیں تھا۔[1]

[1] درسنامہ درایۃ الحدیث: ص۵۸.

[تتمہ: نمبر۸]

کتب اربعہ میں تعلیق کی تحقیق

تمام کتب اربعہ میں تعلیق دیکھنے کو ملتی ہے۔ البتہ ان میں تعلیق مختلف انداز میں سامنے آتی ہے۔ شیخ کلینی زیادہ تر سند نقل کرتے ہیں اور انکی کتاب میں تعلیق بہت ہی کم ہے، کیونکہ وہ سند اور طریق روایت کا ذکر لازم سمجھتے تھے، البتہ کبھی وہ سند کے شروع کا حصہ حذف کر دیتے ہیں، ایسے موارد میں درست ہے کہ سند کے شروع کا حصہ حذف ہوتا ہے لیکن اس سے قبل موجود روایت کے قرینے سے سند تک دسترسی ممکن ہے۔ البتہ شیخ کلینی کے برخلاف شیخ صدوق و طوسی اکثر سند کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کو کتاب کے آخر میں درج مشیخہ میں ذکر کرتے ہیں۔

[تتمہ: نمبر۹]

نازل السند

اگر کسی روایت کی سند میں زیادہ راوی موجود ہوں تو سند کے طولانی ہو جانے کی وجہ سے اس حدیث کو نازل السند کہتے ہیں۔[1]

[1] درسنامہ درایۃ الحدیث: ص۱۱۶.

[تتمہ: نمبر۱۰]

مجمل و مبیّن

حدیث مجمل وہ حدیث ہے جس کے متن میں موجود مقصود و مراد معلوم نہ ہو اور اس کے ظاہر سے اس کی دلالت واضح نہ ہو۔ اس کے برخلاف حدیث مبیّن ہے جس کی دلالت میں کوئی شک و ابہام موجود نہیں ہوتا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث کے الفاظ کی دلالت اس کے معنی پر واضح ہوتی ہے اور اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال موجود نہیں ہوتا تو اسے ((نص)) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ حدیث مبین ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لفظ چند معنی کا حامل ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک ارجح ہوتا ہے جو کہ ظاہر ہوتا ہے اور یہ بھی حدیث مبیّن کی ہی قسم ہے۔ بعض اوقات لفظ چند معنی کا حامل ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی ایک بھی ظاہر نہیں ہوتا اس صورت میں حدیث مجمل ہو جاتی ہے۔

البتہ کسی حدیث کا مجمل یا مبین ہونا سب کے لیے ایک سا نہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی کے لیے ایک حدیث مجمل ہو تو کسی اور کے علم و فراست کی زیادتی کی وجہ سے مبین، اس لیے یہ ایک نسبی امر ہے۔ اس کی بحث علم اصول سے مربوط ہے۔ معصومین کی زیادہ تر احادیث مبین ہیں جن میں امر و نہی وجوب و حرمت وغیرہ کا بیان واضح انداز میں ظہور کرتا ہے۔[1]

[1] درسنامہ درایۃ الخدیث: ص۱۳۴۔

[تتمہ: نمبر۱۱]

حدیث مجعول اور جاعلان

جعل حدیث کبھی سند سے متعلق ہوتی ہے تو کبھی متن سے لیکن زیادہ تر موارد میں متن سے متعلق ہوتی ہے۔ اس کے عوامل مختلف ہیں جنہیں جاننے کے لیے مترجم سے قلم سے نکلے ترجمہ ((اصول الحدیث)) از علامہ عبد الہادی فضلی کی جانب رجوع کیجیے۔ جن موضوعات میں یہ خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ بعض خلفاء کی نفی یا اثبات میں؛

۲۔ بنو امیہ بالخصوص معاویہ کی حکومت کی تقویت کی خاطر؛

۳۔ مختلف فقہی مذاہب کو حق یا ناحق ثابت کرنے کے لیے؛

۴۔ مقدس افراد کی جانب سے لوگوں کو اعمال کی جانب ترغیب دلانے کے لیے؛

۵۔ اسلام کی دشمنی کی خاطر؛

۶۔ تجارت و قرب حاصل کرنے کے لیے۔

علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر کی جلد ۵ میں ۷۰۰ جاعلان حدیث کے نام نقل کیے ہیں جن میں سب سے پیش پیش ابوہریرہ ہے۔ نمونے کے طور پر:

ابراہیم بن رجا الشیبانی الکوفی؛

احمد بن سیار ابو عبداللہ السیاری صاحب کتاب التنزیل و التحریف؛

اسعث بن سعید اسمان ابوالربیع؛

الحسن بن علی بن ابی حمزہ البطائی؛

سلیمان بن عمر بن عبداللہ النخعی؛

علی بن سالم البطائنی؛

محمد بن علی ابو سمینہ الصیرفی؛

مغیرہ بن سعید؛

وہب بن وہب ابوالبختری القاضی؛

یونس بن ظبیان.

جھوٹی احادیث کے نمونے کے طور پر دو احادیث پیش خدمت ہیں:

۱۔ ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مجھے معراج پر لے جایا گیا تو جس آسمان سے بھی گزرا میں نے وہاں لکھا ہوا دیکھا: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور ابو بکر صدیق ان کے جانشین۔[1]

۲۔ انس نے مرفوعا نقل کیا: امین سات ہیں: لوح، قلم، اسرافیل، میکائیل، جبرائیل، محمد ﷺ اور معاویہ۔[1]

---

[1] میزان الاعتدال: ج۳، ص۲۳۰.

[تتمہ: نمبر ۱۲]

متروک

اگر کوئی روایت ایک راوی سے نقل ہوئی ہو اور وہ متہم بہ کذب ہو اور وہ روایت اس کے علاوہ کسی اور سے نقل نہ ہوئی ہو تو اسے متروک کہتے ہیں۔ یہ اس حدیث کو بھی شامل ہے جس کا راوی کلام میں دروغگوئی سے متہم ہو، گرچہ احادیث میں اس کی دروغگوئی ثابت نہ ہوئی ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث نقل کرنے میں راستگو ہو، یا ایسا راوی جو قول و عمل میں فسق ظاہری کا مرتکب ہوا ہو۔ تو ایسی روایت ضعیف شمار کی گئی ہے۔ گرچہ بعض افراد نے اسے حدیث مشترک کی اقسام میں شمار کیا ہے نہ کہ حدیث مختص کی اقسام میں۔[2]

اصطلاح متروک محدثین قدماء کے درمیان رائج نہیں تھی اور وہ اسے ضعیف کے عنوان سے ہی یاد کرتے تھے، گرچہ اس کا اہلسنت کے یہاں طولانی سابقہ موجود ہے۔ حدیث متروک ضعیف ہے مگر یہ کہ اس کے معصوم سے صدور پر قرائن موجود ہوں۔[3]

و ما توفیق الا باللہ العلی العظیم والحمد للہ رب العالمین.

---

[1] میزان الاعتدال: ج۲، ص۱۲.

[2] دیکھیے: مقباس الہدایۃ: ج۱، ص۳۱۵؛ اصول الحدیث: ص۸۳.

[3] درسنامہ درایۃ الحدیث: ص۱۲۱.

۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۸ ہجری، روز ولادت جناب امیرالمومنینؑ، بمطابق ۱۱ اپریل، ۲۰۱۷ء، سہ پہر ۰۰:۰۴ بجے اس کتاب کے ترجمے سے فراغت حاصل ہوئی۔ خدا اس حقیر سی کاوش کو اس گناہگار سے قبول فرما کر فقیر کے گناہوں کی بخشش کا سہارا قرار دے۔ آمین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم. بحق محمد و آله الطاهرين

بندہ ثقلین؛ سید سبطین علی نقوی امروہوی

فہرست

فہرست مطالب	صفحہ نمبر
مقدمۃ الکتاب	۷
فصل اول: کلیات	۱۱
مقدمہ	۱۳
۱۔ تدوین علم درایۃ الحدیث	۱۴
الف) اہلسنت	۱۴
ب) شیعہ	۱۵
تعریف علم درایۃ الحدیث	۱۸
الف) لغوی معنی	۱۸
ب) اصطلاحی معنی	۲۰
۳۔ موضوع علم درایۃ الحدیث	۲۲
۴۔ ہدف علم درایۃ الحدیث	۲۲
۵۔ دوسرے علوم حدیث	۲۳
الف) رجال الحدیث	۲۳
ب) فقہ الحدیث	۲۳
ج) غریب الحدیث	۲۵
د) علاج الحدیث	۲۵
ھ) علل الحدیث	۲۵

فصل دوم: اصطلاحات علم درایۃ الحدیث کا تعارف ۲۷

۱۔ حدیث کی داخلی اصطلاحات ۳۰

الف) سنت ۳۰

ب) حدیث ۳۰

ج) خبر ۳۲

د) اثر ۳۲

ھ) متن ۳۳

و) سند ۳۳

ز) اسناد ۳۴

ح) حدیث قدسی ۳۶

۲۔ حدیث کی خارجی اصطلاحات ۳۷

الف) اصطلاحات شخصی ۳۷

اول: صحابہ ۳۷

دوم: تابعین ۳۸

سوم: مُخضرم ۳۸

چہارم: مولی ۳۸

ب) اصطلاحات تحمل حدیث ۳۹

تحمل حدیث ۴۰

اول: سماع ۴۰

دوم: قرائت ۴۱

سوم: اجازہ ۴۱

چہارم: مناولہ ۴۲

پنجم: کتابت ۴۲

ششم: اعلام ۴۲

ہفتم: وصیت ۴۳

ہشتم: وجادہ ۴۳

ج۔ اصطلاحات کتاب شناسی ۴۳

اول: اصل، کتاب، مصنف ۴۴

دوم: جزء ۴۴

سوم: مسند ۴۵

چہارم: امالی (مجلس) ۴۵

پنجم: جامع ۴۵

ششم: معجم ۴۶

ہفتم: مستخرج ۴۶

ہشتم: مستدرک ۴۶

نہم: نوادر ۴۷

دہم: مشیخۃ ۴۷

فصل سوم: خبر کی اقسام ۴۹

مقدمہ ۵۱

۱۔ خبر متواتر ۵۲
الف) لفظی معنی ۵۲
ب) اصطلاحی معنی ۵۲
ج) خبر متواتر کی شرائط ۵۳
د) اقسام خبر متواتر ۵۵
اول: تواتر لفظی ۵۵
دوم: متواتر معنوی ۵۶
سوم: تواتر اجمالی ۵۷
۲۔ خبر واحد ۵۸
الف) خبر واحد کی انواع ۵۹
اول: صحیح ۶۰
دوم: حسن ۶۱
سوم: موثق ۶۲
چہارم: ضعیف ۶۴
ب) خبر واحد کی ایک اور تقسیم ۶۵
اول: مستفیض ۶۵
دوم: عزیز ۶۶
سوم: علمائے حدیث کی عرفی زبان میں صحیح کا اطلاق ۶۷
چہارم: علمائے حدیث کی عرفی زبان میں ضعیف کا اطلاق ۷۰
فصل چہارم: حدیث کی مشترکہ اقسام ۷۳

مقدمہ ۷۵
۱۔ مشہور ۷۶
۲۔ متفق ۷۷
۳۔ متفرد ۷۸
۴۔ مفرد ۷۸
۵۔ غریب ۷۹
۶۔ غریب الالفاظ ۸۰
۷۔ مسند و متصل ۸۱
۸۔ مرفوع ۸۲
۹۔ معنعن ۸۳
۱۰۔ معلق ۸۳
۱۱۔ مدرج ۸۶
۱۲۔ مصحف ۸۷
۱۳۔ مکاتب ۸۸
۱۴۔ مسلسل ۸۹
۱۵و۱۶۔ ناسخ و منسوخ ۹۰
۱۷و۱۸۔ محکم و متشابہ ۹۱
۱۹۔ مؤول ۹۲
۲۰۔ شاذ (نادر) ۹۳
۲۱و۲۲۔ نص و ظاہر ۹۶

۲۳۔ مزید ۹۷
۲۴۔ مشکل ۹۸
۲۵۔ عالی السند ۹۹
۲۶۔ مدبج ۱۰۰
۲۷۔ روایۃ الاکابر عن الاصاغر (السابق عن اللاحق) ۱۰۱
۲۸۔ مشترک ۱۰۲
۲۹۔ متفق و مفترق ۱۰۵
۳۰۔ مؤتلف و مختلف ۱۰۶
۳۱۔ تشابہ الاسناد ۱۰۹
۳۲۔ مقبولہ ۱۱۰
فصل پنجم: حدیث ضعیف کی اقسام ۱۱۳
مقدمہ ۱۱۵
۱۔ مرسل ۱۱۵
الف) حدیث مرسل کی اقسام ۱۱۶
ب) حجیت مرسل ۱۱۸
ج) حدیث مضمر ۱۱۸
د) حدیث مضمر کی حجیت ۱۱۹
ھ) حدیث مضطرب ۱۲۰
۲۔ حدیث مہمل ۱۲۱
۳۔ حدیث مجہول ۱۲۲

الف) مجہول اصطلاحی ۱۲۳
ب) مجہول لغوی ۱۲۴
۴۔ حدیث مقلوب ۱۲۵
۵۔ مدلس ۱۲۷
۶۔ معضل ۱۲۸
۷۔ حدیث مطروح ۱۲۹
۸۔ حدیث موقوف ۱۳۱
۹۔ حدیث منقطع ۱۳۲
۱۰۔ حدیث موضوع ۱۳۳
۱۱۔ حدیث مردود ۱۳۵
۱۲۔ حدیث معتبر ۱۳۷
۱۳۔ حدیث محرف ۱۳۸
۱۴۔ حدیث معلل ۱۳۹
۱۵۔ حدیث مقطوع ۱۴۲
فصل ششم: جرح و تعدیل ۱۴۵
مقدمہ ۱۴۷
۱۔ وثاقت روای کے اثبات کی راہیں ۱۴۷
الف) معصوم کی تصریح ۱۴۷
ب) تصریح علمائے رجال ۱۴۸
ج) قرائن کی جمع آوری ۱۴۹

۲۔ تعدیل (توثیق) پر دال الفاظ ۱۵۰
۳۔ توثیق کے عام قواعد ۱۵۰
الف) راوی کا مشائخ اجازہ سے ہونا ۱۵۱
ب) وکالت راوی ۱۵۲
ج) روایات کی کثرت ۱۵۳
د) راوی کا شیخ صدوق کے مشائخ سے ہونا ۱۵۵
ھ) سلسلہ سند میں موجود راوی کے لیے دعائے خیر کرنا ۱۵۵
و) کامل الزیارات اور تفسیر قمی کے راویان میں سے ہونا ۱۵۶
ز) مشائخ کا کسی راوی سے نقل کرنا ۱۵۸
ح) کسی راوی کا صحیح حدیث کے سلسلہ سند میں واقع ہونا (صحیح السند) ۱۵۸
ط) راوی کا بنو فضال سے ہونا ۱۵۹
ی) راوی کا ان افراد سے ہونا جس کی روایات پر عمل کرنے پر اتفاق ۱۶۰
ک) کسی راوی کا الکافی یا من لایحضرہ الفقیہ کے سلسلہ سند میں واقع ۱۶۰
ل) قمیوں کا کسی راوی سے روایت کرنا ۱۶۱
م) راوی کا آل ابی جہم، آل نعیم ازدی اور آل ابی شعبہ میں سے ہونا ۱۶۲
ن) اصحاب اجماع ۱۶۳
اول: اصحاب امام محمد باقرؑ ۱۶۴
دوم: اصحاب امام صادقؑ ۱۶۴
سوم: اصحاب امام موسیٰ کاظمؑ و امام رضاؑ ۱۶۵

س) راوی کا صاحب اصل، کتاب یا مصنف ہونا ۱۶۷
۴۔ قدح و جرح ۱۶۷
الفاظ جرح و قدح ۱۶۸
اول: مضطرب الحدیث ۱۶۹
دوم: ضعیف ۱۶۹
سوم: غالی ۱۷۰
چہارم: کذوب ۱۷۰
پنجم: مخلط ۱۷۰
ششم: متہم ۱۷۱
ہفتم: لیس بشیء ۱۷۲
ہشتم: یروی عن الضعفاء، لایبالی عمن اخذہ، یعتمد المراسیل ۱۷۲
تتمہ (از مترجم) ۱۷۵
القاب معصومینؑ ۱۷۷
القاب غیر معصومین ۱۷۹
نقل بہ معنی ۱۸۱
عدۃ ۱۸۳
طبقہ ۱۸۵
تقطیع حدیث ۱۸۶
حدیث کا علم حاصل کرنے کے آداب ۱۸۷
حدیث صحیح کی اقسام ۱۸۸

حسن کا صحیح	۱۸۹
حدیث قوی	۱۹۰
قدماء کے نزدیک صحیح کی تعریف	۱۹۱
کتب اربعہ میں تعلیق کی تحقیق	۱۹۳
نازل السند	۱۹۳
مجمل و مبین	۱۹۴
حدیث مجعول اور جاعلان	۱۹۵
متروک	۱۹۷
فہرست	۱۹۹

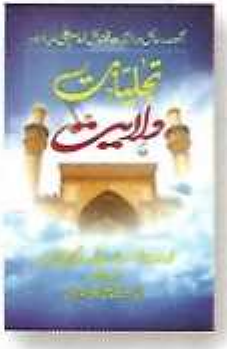

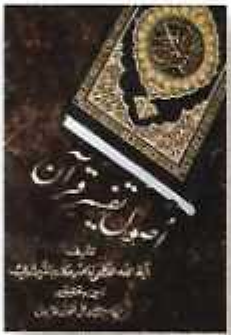

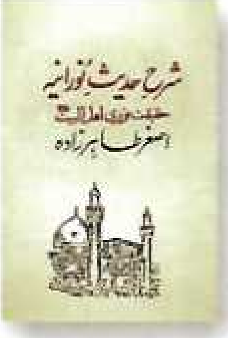

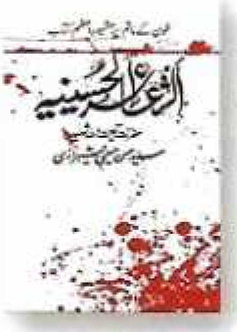

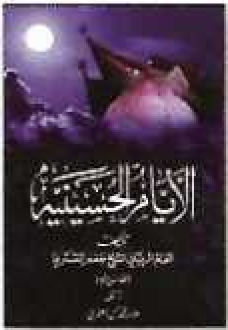

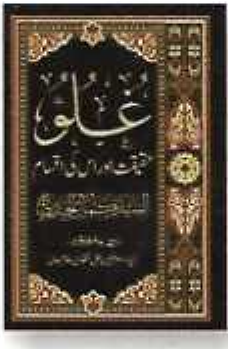

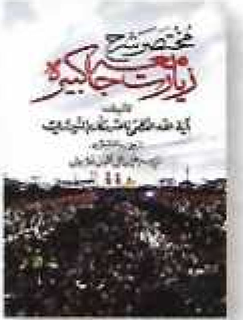

DOT Management Foundation

Sabil-e-Sakina (S.A) Online Islamic Digital Library

Websites: Ziaraat.com ShianeAli.com

webmaster@ziaraat.com info@shianeali.com

Courtesy: Islamic Culture & Research Trust (Regd.)

ST-1/B Block 6 Federal 'B' Area Karachi (75950) – Pakistan

Suit 12 2nd Floor Empress Tower Empress Road Lahore – Pakistan

SABIL-E-SAKINA (DMF) PAKISTAN

RS.320/-

9 789697 200061